سازِ ہستی پردۂ الہام ہے
نغمۂ تارِ نفس پیغام ہے

نغماتُ الاسرار
فی
مقاماتِ الابرار

داعی اسلام
شیخ ابوسعید احسان اللہ چشتی

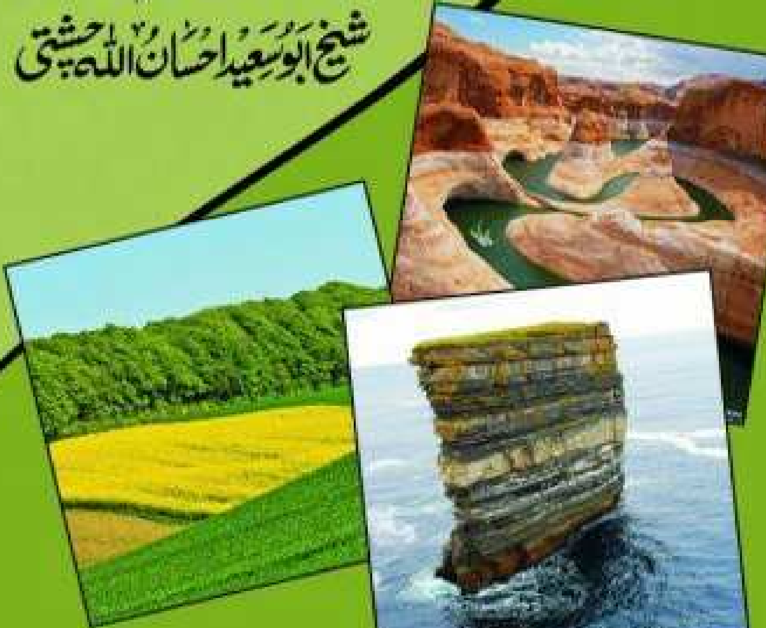

نغماتُ الاسرار فی مقامات الابرار

داعی اسلام
شیخ ابوسعید احسان اللہ چشتی

شاہ صفی اکیڈمی

نغمات الاسرار فی مقامات الابرار اسم با مسمی ہے- عارف باللہ حضرت ابوسعید شاہ احسان اللہ چشتی دام ظلہ کے قلبی واردات نہایت سلاست وفصاحت اور سادگی و بے ساختگی کے ساتھ مثنوی کی شکل اختیار کر گئے ہیں- یہ واردات یقیناً ایک سالک کے لیے دستور العمل اور صاحب نظر علما وصوفیہ کے فکری وعملی اعتدال وتوازن کے لیے مرشد و رہنما ہیں- اس میں علمی نکات بھی ہیں، فکری و اعتقادی اصول بھی ہیں اور سب سے بڑھ کر روحانی احوال، صوفیانہ فلسفوں اور روایتوں کو نہایت سلیقے سے بیان کر دیا گیا ہے- ہر بات کتاب وسنت، آثار سلف اور منطقی و عقلی دلائل سے مبرہن ہے- اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض اشعار اول نظر میں قابل اعتراض ٹھہرتے ہیں، بعض اشعار ایسے بھی ہیں جو مجھ جیسے کوتاہ فکروں کے سر سے گزر جاتے ہیں، مگر دقت نظر سے دیکھا جائے تو خود بعض اشعار بعض کی شرح وتفصیل کر دیتے ہیں- یہی بات رموز نغمات کے نام سے اس کے حواشی لکھنے کا باعث ٹھہری- اللہ کا شکر ہے کہ اس سعادت کا قرعۂ فال اس سیہ کار کے نام نکلا- لیکن نغمات الاسرار کے رموز واسرار کے فہم سے قاصر، مقامات واحوال صوفیہ سے بے خبر اور علوم اسلامی میں کوتاہ دست حاشیہ نگار کو دوران تحشیہ جو مشکلات درپیش ہوئیں، وہ اس کا پتہ پانی کر دینے کے لیے کافی تھیں، مگر صاحب مثنوی کی خصوصی توجہات اور علمی نکات آفرینی میری یاوری کرتی رہیں- اس لیے دوٹوک لفظوں میں میں اس اعتراف میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا کہ رموز نغمات میں اگر کچھ کام کی باتیں آ گئی ہیں، تو وہ سب شیخ کی ہیں اور اس کی جملہ خامیاں بحق حاشیہ نگار محفوظ ہیں- اس کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ حقائق و معارف اور رموز و اسرار کا یہ وسیع قلزم اجمالی حواشی نہیں تفصیلی شرح و بیان کا متقاضی ہے، اگر شیخ کی توجہات فہم وشعور کی آنکھیں کھول دیتی ہیں اور توفیق خداوندی شامل حال ہوتی ہے، تو ان شاء اللہ یہ کار عظیم بھی اس گنہ گار کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچے گا-

ذیشان احمد مصباحی
مدیر ماہ نامہ جام نور دہلی

شاہ صفی اکیڈمی
جامعہ عارفیہ/ خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد)

نغمات الاسرار
فی
مقامات الابرار

داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

رموز نغمات

ذیشان احمد مصباحی

شاہ صفی اکیڈمی

جامعہ عارفیہ/ خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد)

سلسلۂ مطبوعات شاہ صفی اکیڈمی نمبر (۳)

@All rights reserved

کتاب: نغمات الاسرار فی مقامات الابرار (مثنوی)

نتیجۂ فکر: داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

حواشی: رموز نغمات

از قلم: ذیشان احمد مصباحی

اشاعت: اگست ۲۰۱۱ء

تعداد: ۱۱۰۰

قیمت:

کمپوزنگ: رکن الدین سعیدی

ناشر: شاہ صفی اکیڈمی، جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد (یوپی)

NAGHMATUL ASRAR FI MAQAMATIL ABRAR
Poet: **Shaikh Abu Saeed Chishti**
Published by: **Shah Safi Academy**, Jamia Arifia, Saiyed Sarawan Kaushambi, Allahabad (U.P.)
Telefax:05322702332 Mob: 09026981216

مشتملات

پیش لفظ	ذیشان احمد مصباحی	05
تقدیم	پروفیسر مسعود انور علوی	22
نغمات الاسرار فی مقامات الابرار		47
حقیقت اشیا کا بیان		48
شرح: وَ فِیۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ		49
وحدت کا بیان		49
نورِ ظہورِ ذات کا بیان		50
کُنۡتُ کَنۡزاً مَخۡفِیًّا		51
نعت حقیقتِ محمدی		52
مثال		54
فضائل آدابِ نبوی		54
اطاعت وپیروی آنحضرت ﷺ		55
عظمت ورفعت آنحضرت ﷺ		56
تواضع باوجود رفعت وعظمت آنحضرت ﷺ		57
شان بشریت کا بیان		58
برزخ کبریٰ کا بیان		58
آنحضرت ﷺ پر علوم غیبیہ کے انکشاف کا بیان		59
شانِ اولیا		60
نسبت وبیعت کی مثال		61
اولیا کی عظمت کا بیان		61
آداب شیخ کامل		62

طالب صادق کے لیے ضرورت شیخ اور آداب بارگاہ شیخ کا بیان		63
سالکین راہ طریقت کے مابین اختلاف کا بیان		65
سماع ووجد کا بیان		65
شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت		66
تصوف کی فضیلت		66
فقیہانِ خشک اور صوفیانِ جاہل ومکار کا بیان		67
علمائے سوء کا بیان		68
فضیلت فقر وتصوف		69
شانِ علمائے برحق		69
شرائط شیخی ودرویشی		70
آداب مریدین		71
استقامت		71
طالبانِ حق کے لیے پند ونصائح		71
اذکار واشغال کا بیان		73
مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات		74
خاتمہ		75
رموز نغمات–	ذیشان احمد مصباحی	77

پیش لفظ

داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی عمّت فیوضہم سے میری پہلی ملاقات ۲۰۰۷ء میں ہوئی تھی- یہ ملاقات اگرچہ حضرت کی ہی خانقاہ میں ہوئی لیکن یہ اتفاقی اس لیے تھی کہ میں حضرت سے ملنے نہیں، حضرت کے مدرسے کے استاذ اپنے دوست مولانا امام الدین سعیدی کی دعوت پر مدرسے کے طلبہ کی طرف سے منعقد ہونے والے پہلے یوم غزالی میں شرکت کے لیے حاضر ہوا تھا- اس اجلاس میں میرے احباب مولانا ظفرالدین برکاتی، مولانا ارشاد نعمانی اور مولانا شہباز مصباحی بھی مدعو تھے جو عرس حافظ ملت میں شرکت کے بعد مبارک پور سے الہٰ آباد آ گئے تھے- دہلی سے میرا سفر تنہا ہوا تھا اور وہ بھی اس حال میں کہ میں کئی دنوں سے بخار اور کھانسی سے پریشان تھا- مولانا امام الدین سعیدی بذریعۂ فون مسلسل مجھ سے رابطے میں تھے، ان کا اصرار اتنا شدید تھا کہ اس کے سامنے عذر کے جائز بہانے بھی بے سود تھے- پھر یہ سوچ کر رخت سفر باندھ لیا کہ بہت ممکن ہے کہ جگہ کی تبدیلی کے سبب طبیعت بھی بحال ہو جائے- الہٰ آباد سے اپنے مذکورہ احباب کے ساتھ مولانا امام الدین کی رہنمائی میں خانقاہ عارفیہ/ جامعہ عارفیہ، سید سراواں الہٰ آباد حاضر ہوا- حضرت سے ملاقات اور عصر کے بعد کی مجلس کا اثر یہ ہوا کہ مجھے تقریر میں یہ کہنا پڑا:

''میں یہ سوچ کر آیا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ جگہ کی تبدیلی کے سبب طبیعت بحال ہو جائے اور الہٰ آباد کا سنگم جو دنیا بھر میں مشہور ہے، اسی بہانے اس کو بھی دیکھ لوں گا- مجھے نہیں معلوم کہ کل سنگم دیکھ پاؤں گا یا نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ میں نے اس خانقاہ میں ایک دوسرا

سنگم دیکھ لیا- شریعت و طریقت کا سنگم، علم اور ادب کا سنگم، اخلاق اور روحانیت کا سنگم اور وہ سنگم ہے حضرت صاحب سجادہ کی ذات بابرکات-''

گنگا اور جمنا کے سنگم کو تو واقعی نہیں دیکھ سکا، اس کی نوبت الہٰ آباد (سید سراواں) کے تیسرے یا چوتھے سفر میں آئی، البتہ شریعت و طریقت کے اس مرج البحرین سے مل کر رخصت ہوا تو خانقاہ عارفیہ سے متعلق چند کتابوں کے ساتھ وہ کتاب بھی تھی جس کا تازہ ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے- اسی پہلے سفر میں میں نے یہ رائے قائم کی کہ حضرت کی شخصیت ایک جہت سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی سی ہے، کیوں کہ وہ ایک طرف جہاں تمام تر صوفیانہ روایتوں کے محافظ و امین ہیں تو دوسری طرف جب فقہ و افتا کی بات آتی ہے تو کبھی کبھی نگاہ کوتاہ بیں کو تقلید کی زنجیریں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں- اسی سفر میں مجھ پر یہ راز بھی کھلا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ غیر صحابی لاکھوں مجاہدوں کے بعد بھی مقام صحابیت کی گرد تک نہیں پہنچ سکتا- سچ ہے ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ''- اسی سفر میں اس بات کا حق الیقین حاصل ہوا کہ تصوف اور صوفیہ اب بھی اس دنیا میں زندہ ہیں- مہینوں دوستوں کی محفل میں اس سنگم کے دل آویز مناظر و محاسن کا ذکر کرتا رہا اور قند مکرر کا لطف لیتا رہا- احباب کبھی خوشی اور شوق سے میری باتیں سنتے تو کبھی رشک و تمنا سے اور کبھی حیرت و استعجاب سے- بعض کرم فرماؤں کے بارے میں یہ بھی معلوم ہوا کہ غائبانہ انہوں نے مجھ پر ''ترس'' بھی کھایا کہ نہیں معلوم جناب کس کے چکر میں پھنس گئے اور اب میں غالب کا یہ شعر پڑھا کرتا ہوں-

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا

....

سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی ایک مرکزی خانقاہ صفی پور اناؤ یوپی سے حضرت شیخ عبدالصمد عرف مخدوم شاہ صفی قدس سرہ (۹۴۵ھ) خلیفہ مخدوم شیخ سعد خیرآبادی (۹۲۲ھ) خلیفہ حضرت مخدوم میناشاہ لکھنوی (۸۸۴ھ) کی ایک کڑی شاہ محمد خادم صفی صفی پوری (۱۲۸۷ھ) اور حضرت قل ھو اللہ شاہ بارہ بنکوی (۱۳۲۴ھ) سے ہوتے ہوئے سلطان العارفین حضرت

خواجہ شہنشاہ عارف صفی محمدی (۱۹۰۳ء/۱۳۲۰ھ) تک پہنچی- آں موصوف نے ۱۸۸۵ء میں سید سراواں (الہ آباد شہر سے تقریباً ۲۰ رکلومیٹر کے فاصلے پر مغرب کی سمت میں دہلی کولکاتا ریلوے لائن کے کنارے ایک قدیمی قصبہ) میں خانقاہ عالیہ عارفیہ کی بنیاد رکھی اور اپنے میکدۂ عرفان کے توسط سے چشتی نظامی صفوی فیضان سے خلق خدا کو خوب خوب سیراب کیا-

اس میکدے کی نیابت حضرت سلطان شاہ عارف صفی سے ان کے خلف اکبر حضرت صفی اللہ شاہ عرف شاہ نیاز احمد (۱۳۷۴ھ) اور ان سے ان کے برادر گرامی مخدوم شاہ احمد صفی عرف شاہ ریاض احمد (۱۴۰۰ھ) کو ملی- یہ حضرت شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی مدظلہ النورانی کے والد کے عم محترم ہیں- یہ نبوی وراثت انہی سے آپ تک منتقل ہوئی-

....

حضرت شیخ ابوسعید اس دینی وروحانی خانوادے میں ۱۹۵۸ء میں پیدا ہوئے اور اسی ماحول میں پروان چڑھے- آپ مسلکا سنی حنفی، مشربا چشتی قادری، نقش بندی و سہروردی اور نسبا عثمانی ہیں، اور ان سب سے پہلے آپ مسلم اور محمدی ہیں- آپ اس پر ہمیشہ زور دیتے ہیں- اسلامی اخوت پر یقین رکھتے ہیں اور انا اول المسلمین اکثر ورد زبان رکھتے ہیں- رشتۂ اسلام وایمان کے علاوہ زمانے میں جتنی پنپنے کی باتیں وضع کر لی گئی ہیں، آپ ان سب سے بیزار رہتے ہیں- آپ کے والد کا نام حکیم آفاق احمد اور والدہ کا نام شاہدہ بی بی تھا- والد محترم نے دونوں ناموں کو ملا کر آپ کا نام شاہد الآفاق رکھا جو آپ کی شخصیت کا صحیح معنوں میں عکاس ہے- والد ماجد کو حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر جو چوتھی صدی ہجری کے بڑے باکمال اور صاحب کشف وکرامت بزرگ گزرے ہیں، سے قوی نسبت تھی، اسی نسبت کے زیر اثر آپ نے صاحب زادے کی کنیت ابوسعید تجویز فرمائی- بعد میں حضرت نے اپنے تینوں صاحب زادوں کے نام میں اسمائے اہل بیت کے ساتھ لفظ سعید کو شامل کر دیا؛ آپ کے صاحب زادوں کے نام بالترتیب حسن سعید، حسین سعید اور علی سعید ہیں- اسی کنیت کی وجہ سے الہ آباد اور اطراف میں حضرت ابومیاں کے نام سے جانے جاتے ہیں-

حضرت شیخ کی ولادت سے قبل آپ کے والد حکیم آفاق احمد رحمہ اللہ نے خواب دیکھا کہ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ سے ایک نور ان کے قلب میں داخل ہوا، پھر وہی نور ان کی اولاد میں سے کسی میں منتقل ہو گیا- اس خواب کے کچھ دنوں بعد ہی حضرت کی پیدائش ہوئی- حضرت کے خالو جناب شکیل احمد عثمانی جن کا شمار سید سراواں کے رؤسا میں ہوتا ہے، اولاد سے محروم تھے، انہوں نے سال بھر کی عمر میں ہی حضرت کو اپنی کفالت میں لے لیا اور تعلیم وتربیت کا پورا فریضہ بطریق احسن خود ہی انجام دیا-

حضرت کی ابتدائی تعلیم گھر کی چہار دیواری کے اندر ہوئی، بعد ازاں جناب علی ظہیر عثمانی علیگ نے آپ کو فارسی اور جناب درویش نجف علیمی نے انگریزی کی کتابیں پڑھائیں، لالہ پور ضلع الہ آباد سے ہائی اسکول پاس کیا پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۹۷۵ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا جہاں سے پہلے P.U.C. پاس کیا پھر فارسی سے بی اے کرنے لگے-

حضرت کی تعلیم ابھی جاری ہی تھی کہ شاہ احمد صفی عرف شاہ ریاض احمد قدس سرہ جو زندگی کے آخری ایام سے گزر رہے تھے، سلسلے کے بعض احباب کے مشورے پر اپنی خلافت و سجادگی کے مسئلے پر غور کرنے لگے- حاضرین نے یکے بعد دیگرے خاندان کے سبھی بڑوں اور جوانوں کا نام لیا لیکن حضرت کسی کے نام سے مطمئن نہیں ہوئے- آخر میں خود ہی کہا کہ اس کو بلاؤ جو علی گڑھ میں زیر تعلیم ہے- چنانچہ حضرت شیخ ابوسعید جو ابھی بانکے جوان تھے، کو بلوایا گیا- سلطان العارفین حضرت شاہ عارف صفی کے عرس بابرکت کے حسین موقع سے ۱۷رذی قعدہ ۱۳۹۸ھ/ ۲۱راکتوبر ۱۹۷۸ء کو غیر متوقع طور پر بعد نماز مغرب حضرت کو بیعت کیا اور بعد نماز عشا عرس کی تقریب کے دوران خلافت وسجادگی سے سرفراز فرمایا- اس وقت آپ کی عمر صرف بیس سال تھی- یہ ایک غیر متوقع واقعہ تھا جس نے آپ کی زندگی کا رخ بدل کر رکھ دیا- آپ کے اندر ایک انقلاب برپا ہو گیا- بیعت کے وقت سے ہی آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سمندر رواں ہو گیا جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا- فیضان نظر نے کتاب ومکتب سے بے نیاز کر دیا- سلسلۂ تعلیم رک گیا- اس کے بعد ایک سال دو مہینے اپنے شیخ کی صحبت پائی- حضرت کے شیخ پر ان دنوں استغراقی کیفیت کا غلبہ تھا- حضرت ان کے قریب ہوتے جب بھی

وہ خاموش رہتے-خاموشی میں ہی راز ونیاز کی ساری گتھیاں سلجھتی رہیں- بالآخر ۱۵/محرم ۱۴۰۰ھ کو حضرت کے شیخ مخدوم شاہ احمد صفی عرف شاہ ریاض احمد قدس اللہ سرہ العزیز اپنے مالک حقیقی سے جاملے-حضرت کو اپنے شیخ کے علاوہ مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر کاکوروی علیہ الرحمہ (۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء) سے بھی سلاسل سبعہ کی اجازت وخلافت حاصل ہے-

حضرت شیخ ابوسعید کی زندگی مختلف مراحل سے گزرتی رہی- شیخ کی وفات کے بعد تنہائی اور راہ سلوک میں بے یاری کا بھی احساس رہا-آپ نے ریاضت ومجاہدہ شروع کیا، مختلف اوراد ووظائف کیے-خانقاہ کے ایک حجرے میں چٹائی بچھا کر سوتے اور سر کے نیچے اینٹ لگاتے-ایک دور وہ بھی گزرا جب آپ مغلوب السماع تھے-نماز اور ضروریات کے علاوہ ہر وقت آپ کا قوال نغمۂ حق سنا تا رہتا-بسا اوقات قوال اکیلا ہی گانے والا اور حضرت اکیلے سننے والے ہوتے-ایک دور وہ بھی گزرا جب قریب کے جنگل میں چلے جاتے اور ذکر وفکر میں غرق رہتے - اس وقت آپ کے ساتھ مولوی عبد القیوم صاحب ہوا کرتے جو حضرت کے ساتھ خود بھی مستقل روزے رہتے-ہفتوں ہفتوں صرف ایک پیالی چائے سے افطار پر کٹ جاتے-مولوی عبدالقیوم صاحب کبھی وہ بھی نہ لیتے-کبھی کبھار آپ اطراف کی بستیوں میں چلے جاتے جہاں آپ کے یا آپ کے شیوخ کے متوسلین ہوتے-آپ ان بستیوں میں ہفتوں قیام فرماتے اور ذکر وفکر اور سماع کی محفل گرم رکھتے-

کچھ سالوں بعد آپ اپنی استغراقی اور نیم جذبی کیفیت سے باہر آئے-اس دوران شیخ ابوسعید ابوالخیر، خواجہ غریب نواز، مولانا روم، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، مخدوم شاہ مینا، شیخ سعد خیرآبادی، مخدوم شاہ صفی، حضرت وارث پاک اور کئی دوسرے بزرگوں سے مختلف اوقات میں قوی نسبتیں رہیں- افاقے کے بعد علم الکتاب کی کمی کا شدید احساس ہوا، چنانچہ آپ مطالعہ وتحقیق کی طرف مائل ہوئے اور امام محمد غزالی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، مخدوم شیخ سعد خیرآبادی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مخدوم اشرف کچھوچھوی، حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیری اور دوسرے علما ومشائخ کی کتابوں اور ملفوظات کا خوب مطالعہ کیا اور بھرپور حظ اٹھایا-

اس دوران عام مشائخ چشت کی طرح حضرت کی طبیعت میں بھی تجرد پسندی پیدا ہوگئی تھی-ازدواجی زندگی کا تصور ذہن وفکر سے محو ہونے لگا تھا-جب اس بات کا احساس آپ کے خالو اور خالہ کو ہوا تو وہ ناراض ہوئے اور شادی کے لیے بضد ہوگئے-خالو اور خالہ کی رضا جوئی کے لیے بمشکل تمام اس شرط کے ساتھ شادی کے لیے تیار ہوئے کہ میری ہی طرح، بیوی بچوں کا خرچ بھی آپ لوگوں کو اٹھانا ہوگا-انہوں نے شرط منظور کر لی اور اس طرح آپ کا عقد مسنون ۲۳/جولائی ۱۹۸۹ء کو موضع اودھن الہ آباد کے شیخ ریاض احمد صاحب کی صاحب زادی مخدومہ نسیمہ بی بی کے ساتھ کر دیا گیا جو نہایت خوش اخلاق، دین دار وفا شعار اور عاشق رسول خاتون ہیں-

ریاضت ومجاہدہ، مطالعہ وتحقیق اور شادی خانہ آبادی کے بعد پورے انہماک اور توجہ کے ساتھ ارشاد وہدایت کی طرف مائل ہوئے-حضرت کی صحبتیں اٹھانے والے اہل نظر اس امر سے واقف ہیں کہ حضرت کی روحانی، علمی اور فکری سطح میں کون سی زیادہ بلند ہے، یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے-آپ نے شریعت وطریقت کے جامع افراد تیار کرنے کے لیے نہایت منصوبہ بندی اور پلاننگ کے ساتھ ۱۹۹۳ء میں خانقاہ عارفیہ کے احاطے میں جامعہ عارفیہ کی بنیاد رکھی- یہ تعلیمی ادارہ ۲۰۰۴ء تک سست رفتاری کے ساتھ چلتا رہا- حفظ وقراءت اور درس نظامی کی ابتدائی درجات کی تعلیم ہوتی رہی-اچھے اساتذہ اور طلبہ کی تلاش جاری رہی-۲۰۰۴ء سے تعلیمی سرگرمی تیز ہوئی، رفتہ رفتہ نصاب میں اصلاح اور نظام میں باضابطگی لائی گئی، اصلاح وترمیم کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور اس وقت جامعہ عارفیہ کا تعلیمی معیار ومنہاج اتر پردیش کے مدارس میں کئی جہتوں سے منفرد ونمایاں ہے-طلبہ ہر طرف سے ٹوٹے پڑ رہے ہیں اور جگہ ہے کہ تنگ پڑتی جا رہی ہے-اس لیے مزید تعمیر وتوسیع کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے-تقریباً ۲۵۰ طلبہ اس وقت زیر تعلیم ہیں-عصری ضرورتوں کے پیش نظر سائنس، انگریزی، حساب اور ہندی کی باقاعدہ تعلیم ہو رہی ہے-اخلاقی تربیت کے لیے کتب تصوف کو بھی داخل درس کیا گیا ہے-خود حضرت شیخ طلبہ کی اخلاقی وروحانی تربیت کے علاوہ گلستان سعدی، مثنوی معنوی، مرج البحرین اور کیمیائے

سعادت جیسی کتابوں کا درس دیتے ہیں- حضرت شیخ نے خانقاہ کی چہار دیواری میں جامعہ
قائم فرما کر شریعت وطریقت، تعلیم وتربیت، قال وحال اور فقہ وتصوف کو صحیح معنوں میں یکجا
کر دیا ہے- قدیم خانقاہی طریق اور جدید تعلیمی نظام کا یہ حسین سنگم سید سراواں کے علاوہ
ملک میں کہیں اور نظر نہیں آیا- حضرت جامعہ عارفیہ کی تعمیر وترقی کے علاوہ دیگر درجنوں
مدارس کی سرپرستی، اعانت اور مشاورت میں شامل ہیں- مختلف مقامات پر مساجد کی تعمیر
وسرپرستی اور ائمہ ومدرسین کی تقرری سے بھی خاص شغف ہے- جگہ اور ماحول کے مطابق
مختلف مقامات پر اپنے تربیت یافتہ ائمہ ومعلمین اور دعاۃ ومبلغین کو بھیجتے ہیں تاکہ ابتدائی اور
بنیادی سطح پر تعلیمی، تعمیری، اصلاحی اور دعوتی مشن کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ سکے-

حضرت شیخ کی شخصیت ایک دور اندیش صاحب نظر، مدبر ومربی اور حکیم داعی ومصلح
کی ہے- اللہ کریم کی توفیق سے بے ایمانوں کو دولت ایمان عطا کرنا، بے عملوں کو عامل
وپارسا بنانا، ناکاروں کو برسرکار اور ناپختہ لوگوں کو پختہ بنانا حضرت کا مشن ہے- وہ دوسروں
کی ہدایت، اصلاح، کامیابی اور سرخروئی کے لیے حریص واقع ہوئے ہیں اور اس کے لیے وہ
شرعی حدود میں رہتے ہوئے کسی حد تک بھی جا سکتے ہیں- ان کی بارگاہ میں ہندو مسلم، مومن
کافر، سنی شیعہ، حنفی شافعی، دیوبندی بریلوی اور امیر وفقیر، عالم وجاہل، گورے کالے، ہر
طرح کے پیاسے آتے ہیں اور حضرت صوفی مشرب پر عمل کرتے ہوئے بلا تفریق سب کو
سیراب کرتے ہیں- وہ سب کی اصلاح چاہتے ہیں اور ایک حکیم دانا کی طرح جس کے لیے
جو دوا اور جیسا پرہیز مناسب سمجھتے ہیں تجویز فرما دیتے ہیں- وہ سب کی دل جوئی کرتے
ہیں اور سب کے لیے سعادت دارین کے متمنی رہتے ہیں- وہ پورے معنوں میں دل بدست
آوری کو حج اکبر تصور کرتے ہیں- وہ پکے مسلم ہیں مگر غیر مسلموں کی فریاد رسی، دست گیری
اور عیادت سے شغف رکھتے ہیں، پورے سنی ہیں مگر غیر سنیوں سے منہ نہیں پھیر سکتے بلکہ ان
کی کوشش ہوتی ہے کہ انہیں صحیح طور سے قبلہ رخ کر سکیں، وہ حنفی ہیں مگر ان کی تقلید میں جمود
نہیں، عصر حاضر میں دعوتی اور تبلیغی مقاصد کے پیش نظر نومسلموں پر حسب ضرورت مال
زکوۃ خرچ کرنے کو بھی بہتر سمجھتے ہیں-

حضرت کے دست حق پرست پر اب تک سیکڑوں افراد ایمان کی دولت سے سرفراز
ہو چکے ہیں اور ہزاروں بدعمل تائب ہو کر صراط مستقیم سے لگ چکے ہیں- آپ کے دربار
سادہ ورنگین کی یہ کرامت ہے کہ اس میں ہر مغرور کی پیشانی جھکتی نظر آتی ہے- ان سے مل کر
بچوں کو ایک دوست، بڑوں کو ایک سرپرست، بوڑھوں کو ایک دست گیر، عالموں کو ایک مربی
اور اہل نظر کو ایک دور اندیش مفکر ومدبر کی ملاقات محسوس ہوتی ہے- آپ کی دعوت کا رنگ
دل کش اور اصلاح کا طریقہ انوکھا ہے- آپ جس سے گفتگو کرتے ہیں اس کی زبان،
اصطلاح، نفسیات اور مزاج کا بھرپور خیال رکھتے ہیں- سکھوں سے بات کرتے ہوئے
گروبانیوں کا استعمال، ہندوؤں سے گفتگو کے دوران دیومالائی قصوں اور ہندی اصطلاحوں
سے استفادہ، مخاطب کو حد سے زیادہ قریب کر دیتا ہے- حضرت کی دعوتی اور اصلاحی انداز
میں، حکمت وموعظت، ترتیب وتدریج، انفاق وبے لوثی، انذار وتبشیر اور دل جوئی وخیر
خواہی کے عناصر بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں- گفتگو میں تعلی اور ادعائیت بالکل ہی نہیں
ہوتی، مگر وہ شک وریب سے بھی مکمل پاک ہوتی ہے- وہ مقام ایمان سے گفتگو فرماتے ہیں
اور وہ بھی اس دل نشیں انداز میں کہ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کی پوری مثال صادق آتی
ہے- بعض دفعہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دلوں پر شیخ کی گرفت ہے وہ جیسے چاہتے ہیں انہیں
الٹتے پلٹتے رہتے ہیں اور بعض دفعہ چند لمحے میں بے ایمانوں، گم راہوں اور بدکاروں کو سپر
انداز ہوتے اور اپنے پچھلے کرتوتوں پر احساس ندامت میں آہ وزاری کرتے دیکھ کر خود اپنی
آنکھوں پر یقین نہیں آتا- ایسی آنکھیں جو کبھی رونا نہیں جانتیں، جب موسلا دھار برسنے لگتی
ہیں، اور ایسے دل جنہیں پتھر سمجھا جاتا ہے، جب وہ موم کی طرح پگھلتے نظر آتے ہیں تو نہ
چاہتے ہوئے بھی دست مسیحائی کو چوم لینے کو دل بے قرار ہو جاتا ہے-

ان کی محفل میں دل کو سکون، عقل کو روشنی، قلب کو اخلاص، ذہن کو پختگی، فکر کو سمت
اور علم کو توانائی ملتی ہے- کج کلاہان عصر اپنا تاج ان کے قدموں میں ڈالتے ہیں، ارباب فقہ و
فتاویٰ باب اجتہاد کے سامنے خود کو سجدہ ریز پاتے ہیں، اہل علم ودانش کو اپنی تنگ دامانی کا
احساس ہوتا ہے اور مسند نشینان خانقاہ اس جناب میں پہنچ کر تصوف اور طریقت کی بھیک

لیتے ہیں-بار ہا یہ بھی دیکھا گیا کہ جو لوگ مغرور پیشانی کے ساتھ حاضر دربار ہوئے پہلی اور دوسری ملاقات کے بعد ایسے جھکے کہ کبھی گردن سیدھی نہ کر سکے، ان کی انا کے بت ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گئے-وہ لوگ بھی ہمارے سامنے ہیں جو علم وآگہی کے غرور سے چور تھے اور اب ان کے سر سے دستارِ علم ہمیشہ کے لیے اتر گئی ہے-اب وہ صرف خاموش طالب اور سوالی بن کر رہ گئے ہیں-ہم ان سے بھی واقف ہیں جو مولانا روم کی طرح علمی اسناد وشہادات کو درنار کر چکے ہیں اور اب ہاتھوں میں کشکول لیے روئے جاناں کو تکتے جا رہے ہیں-وہاں ہر منگتا کی مرادیں پوری ہوتی نظر آتی ہیں، وہ منگتا کسی بھی سطح کا اور اس کا سوال کسی بھی نوعیت کا کیوں نہ ہو-آپ کی محفل **کأنّ علیٰ رؤسھم الطیور** کا نمونہ معلوم ہوتی ہے اور خاص بات یہ کہ گفتگو جہاں سے بھی شروع ہو، بات مطلوب ومقصودِ حقیقی تک ہی پہنچتی ہے-محفل پر کبھی انذار کا غلبہ ہوتا ہے تو کبھی تبشیر کا-اس میں غم دنیا کا رونا نہیں ہوتا، فکر آخرت میں ہی آنکھیں برستی نظر آتی ہیں اور کبھی دنیا کی بات بھی ہوئی تو اس میں دین کا پہلو تلاش کر لیا گیا اور اس طرح دنیا دین بن گئی-

حضرت کے شب وروز کو جن لوگوں نے قریب سے دیکھا ہے وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ حضرت کے اخلاق وکردار نا قابل یقین حد تک اسوہ حسنہ کی تصویر ہیں-بزرگوں کے اخلاق وعمل اور کشف وکرامات کے تعلق سے جو واقعات کتابوں میں ملتے ہیں ان کی صحبت اٹھانے والے سر کی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کرتے ہیں-وہ اس دورِ زوال میں صحیح معنوں میں نمونہ اسلاف ہیں-نماز باجماعت کا اہتمام ، احکام شریعت کی پابندی وپاسداری، خوشی اور غم میں صبر وشکر، ہر حال میں مسکرانا اور مسکراتے ہوئے سب کا استقبال کرنا، ہر شخص کی دل جوئی، سب کا خیال، اپنے چاہنے والوں کو ٹوٹ کر چاہنا اور دشمنوں کے دل کو بھی محبت سے جیت لینا، آپ کی دل آویز شخصیت کے خاص عناصر ہیں-

....

Dreams make reality. ''خواب حقیقت کی تعمیر کرتے ہیں'' ایک مقولہ ہے جس پر حضرت شیخ کو کامل یقین ہے-اسی یقین کے تحت انہوں نے ایک خواب

سجایا ہے، اور وہ خواب ہے شریعت وطریقت، مدرسہ وخانقاہ، جدید وقدیم، تحقیق وتفکیر، جذب وسلوک، قال وحال اور دعوت واصلاح کے اجتماع اور جسم وروح کے علاج کا-اللہ کریم بندے کے گمان کے قریب ہے **انا عند ظن عبدی بی** پر انہیں کامل ایمان ہے اور وہ اسی ایمان کے سہارے اپنے مشن میں لگے ہوئے ہیں-سفر جاری ہے، لوگ آرہے ہیں اور کارواں بڑھتا جا رہا ہے-حضرت کا ایک بڑا وصف حب اہل بیت بھی ہے، اللہ نے چاہا تو وہ سنت حسنین کریمین ادا کرتے نظر آئیں گے-یہ سیہ کار بھی حضرت کی چاکری کا متمنی ہے اور اسی چاکری میں جینا اور مرنا چاہتا ہے-میں نے بہت یقین کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ

قریب ہے کہ زمانہ ٹھہر کے بولے گا
کہ یہ فقیر تو قبضہ جہاں پہ رکھتا ہے

اور

اسی جناب سے دل کو ہے مغفرت کی امید
جبیں کو شوق اسی آستاں پہ رکھتا ہے

اللہ ان کا حامی وناصر ہو-

....

نغمات الاسرار فی مقامات الابرار اسم بامسمیٰ ہے-عارف باللہ حضرت شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دام ظلہ کے قلبی واردات نہایت سلاست وفصاحت اور سادگی و بے ساختگی کے ساتھ مثنوی کی شکل اختیار کر گئے ہیں-یہ واردات یقیناً ایک سالک کے لیے دستور العمل اور صاحب نظر علما وصوفیہ کے فکری وعملی اعتدال وتوازن کے لیے مرشد ورہنما ہیں-اس میں علمی نکات بھی ہیں، فکری واعتقادی اصول بھی ہیں اور سب سے بڑھ کر روحانی احوال، صوفیانہ فلسفوں اور روایتوں کو نہایت سلیقے سے بیان کر دیا گیا ہے-ہر بات کتاب وسنت، آثار سلف اور منطقی وعقلی دلائل سے مبرہن ہے-اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض اشعار اول نظر میں قابل اعتراض ٹھہرتے ہیں، بعض اشعار ایسے بھی ہیں جو مجھ جیسے کوتاہ فکروں کے سر سے گزر جاتے ہیں، مگر دقت نظر سے دیکھا جائے تو خود بعض اشعار بعض

کی شرح وتفصیل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں- یہی بات رموزنغمات کے نام سے اس کے حواشی لکھنے کا باعث ٹھہری- اللہ کا شکر ہے کہ اس سعادت کا قرعۂ فال اس سیہ کار کے نام نکلا-لیکن نغمات الاسرار کے رموز واسرار کے فہم سے قاصر، مقامات واحوال صوفیہ سے بے خبر اور علوم اسلامی میں کوتاہ دست حاشیہ نگار کو دوران تحشیہ جو مشکلات درپیش ہوئیں، وہ اس کا پتہ پانی کر دینے کے لیے کافی تھیں، مگر صاحب مثنوی کی خصوصی توجہات اور علمی نکات آفرینیاں میری یاوری کرتی رہیں- اس لیے میں دوٹوک لفظوں میں اس اعتراف میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا کہ رموزنغمات میں اگر کچھ کام کی باتیں آگئی ہیں، تو وہ سب شیخ کی ہیں اور اس کی جملہ خامیاں بحق حاشیہ نگار محفوظ ہیں- اس کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ حقائق و معارف اور رموز واسرار کا یہ وسیع قلزم اجمالی حواشی نہیں، تفصیلی شرح و بیان کا متقاضی ہے- اگر شیخ کی توجہات فہم وشعور کی آنکھیں کھول دیتی ہیں اور توفیق خداوندی شامل حال ہوتی ہے، تو ان شاء اللہ یہ کار عظیم بھی اس گنہ گار کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچے گا-

....

حواشی لکھتے وقت بارہا یہ خیال آیا کہ میں اس کام کی نسبت صحیح کام کے لیے غلط انتخاب ہوں- کئی بار چاہا کہ اس سے دست بردار ہو جاؤں مگر پھر صاحب مثنوی کی توجہات نے یاوری کی- حضرت ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ جہاں ضرورت پڑے تبادلۂ خیال کر لیں اور میں تبادلۂ خیال کرتا رہا- کبھی فون پر تو کبھی مجلس میں بیٹھ کر- بعض اشعار ایسے پیچیدہ تھے جو پہلے میرے لیے کسی طور بھی قابل تاویل نہ تھے لیکن جب گفتگو ہوئی تو ایسے کھلے جیسے ان میں کبھی کوئی پیچیدگی تھی ہی نہیں- بعض اشعار کی تشریح کے وقت میں نے صاف محسوس کیا کہ حضرت کے ذہن میں اس سے مختلف تشریح بھی موجود ہے مگر وہ ہم ''فتویٰ بکف'' مولویوں کو اس تشریح کا متحمل نہیں پاتے، اس لیے اس سطح کی تشریح کر رہے ہیں جو ہمارے علم وفکر کے مطابق ہے- اشعار کو ناقص طور پر ہی سہی، سمجھنے کے بعد یہ فکر دامن گیر رہی کہ اسے کم لفظوں میں آسان اور قابل فہم اسلوب میں کیسے سپرد قرطاس کیا جائے- نغمات الاسرار میں صاحب مثنوی نے آیات واحادیث اور اقوال وروایات کو کثرت کے ساتھ نظم کیا

ہے، جن کی تخریج ضروری تھی، چوں کہ فن حدیث میں میں یکسر تہی دست ہوں، اس لیے یہ کام بھی میرے لیے مشکل تھا- خیر کسی طرح کام شروع ہوا- بعض اشعار کی ضروری تشریح اور حوالوں کی تخریج کا تقریباً ۷۰ فی صد کام مکمل ہو گیا- لیکن اس کام سے میں اس لیے مطمئن نہیں تھا کہ اس میں نہ شرح کی تفصیل تھی اور نہ حواشی کا اجمال تھا- اگر وہ چھپے تو اس کی شکل کیا ہو فٹ نوٹ کی ہو، یا شرح کی؟ میں اسی کشمکش میں تھا کہ ایک افسوس ناک واقعہ پیش آیا- چند ماہ قبل میں الہ آباد جا رہا تھا- جلدی جلدی میں وہ بیگ نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کے باہر آٹو رکشا میں چھوٹ گیا جس میں ''نغمات الاسرار'' کے حواشی والی کاپی تھی- جب میں خانقاہ پہنچا اور حضرت نے مجھ سے میرے کام کے تعلق سے سوال کیا تو میں نے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے اپنی سرگزشت سنادی- حضرت نے بغیر کسی تردد وتامل کے فوراً آیت کریمہ مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا (البقرہ:۱۰۶) (ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے یا بھلاتے نہیں مگر اس سے بہتر یا اس کی مثل آیت لاتے ہیں) تلاوت فرمادی- اس سے میری ڈھارس بندھی- میں نے کام دوبارہ شروع کیا اور اب میں صاف طور سے کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اپنے بیگ کے گم ہونے کا کوئی افسوس نہیں ہے، کیوں کہ میرے گمان کی حد تک حواشی کا یہ نقش ثانی نقش اول سے یقیناً بہتر ہے-

....

مرشد اعظم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نمایاں وصف یہ بھی ہے کہ آپ انسان کامل ہیں- آپ کی حیات طیبہ دین ودنیا کی امامت وہدایت کا مکمل سرچشمہ ہے- آپ کے بعد ''علم دین'' کی تین شاخوں الاسلام، الایمان اور الاحسان کو تین گروہ علما لے کر آگے بڑھے، کیوں کہ بالخصوص عہد صحابہ کے بعد ایسی جامع الصفات شخصیتیں کم ہوئی ہیں جو تمام دینی وعلمی اوصاف وکمالات کی جامع ہوں- ایسے میں اسلام کے ظاہری احکام و معاملات کی تحقیق وتشریح کا کام فقہانے کیا- ایمان کی تحقیق وتشریح کا کام متکلمین نے کیا جب کہ احسان وسلوک اور تزکیۂ نفوس کا عظیم ترین فریضہ صوفیۂ کرام نے انجام دیا- اسلام کی اساس اول یعنی کتاب اللہ چوں کہ ہر تغیر وتبدل اور تحریف سے پاک رہی البتہ اساس

ثانی یعنی احادیث رسول کی روایت و اسناد میں مختلف غیر صالح مقاصد کے تحت الحاق و تلبیس کا کام بڑے پیمانے پر ہوا- اس لیے اب علمائے اسلام کا ایک گروہ ایسا بھی سامنے آیا جس نے صحیح حدیثوں کو الحاقی اور موضوع حدیثوں سے چھانٹ کر الگ کر دیا- ایسے میں حدیث کی ایک تیسری قسم یعنی حدیث ضعیف بھی سامنے آئی جس کی نہ صحت قطعی تھی اور نہ موضوعیت- محدثین نے اس الجھن کو اس طور سے رفع کیا کہ ایسی حدیثوں کو احکام حلال و حرام کے اثبات کے لیے غیر معتبر قرار دیا کیوں کہ یہ حدیثیں معیار صحت پر پوری نہیں اتر رہی تھیں اور فضائل و مناقب میں ان حدیثوں کو معتبر مانا کیوں کہ ان کا حدیث نہ ہونا قطعی نہیں تھا، لہٰذا ان کا اقل ترین مقام یہ تھا کہ انھیں کم از کم فضائل میں معتبر مانا جائے- علمائے اسلام کے یہ چاروں گروہ تاریخ اسلام میں موجود رہے ہیں، لیکن علما کی اس درجہ بندی (Catagerization) سے یہ سمجھنا کہ جو فقہا تھے وہ متکلم، صوفی، محدث نہیں تھے، جو متکلم تھے وہ فقیہ، صوفی اور محدث نہیں تھے، جو صوفی تھے وہ فقیہ، متکلم اور محدث نہیں تھے یا جو محدث تھے وہ فقیہ، متکلم اور صوفی نہیں تھے، سخت نادانی اور غلط فہمی ہے- یہ تمام نفوس قدسیہ بیک وقت چاروں میدان کے شہسوار تھے البتہ اختصاص اور Specialization جن کا جس شعبے میں تھا، طبعی میلان جن کا جس میدان کی طرف زیادہ تھا، وہ اسی میدان کے حوالے سے زیادہ مشہور ہوئے اور اکثر یہ ہوا کہ ایک میدان کار کے عالم نے اسی میدان میں زیادہ خدمات انجام دیں- کسی دوسرے میدان علم کی طرف اس کی توجہ کم رہی- متکلمین کی پوری توجہ عقیدے کی اصلاح پر، فقہا کی مسائل کی تخریج پر، محدثین کی حدیث کی صحت و سقم پر اور صوفیہ کی اصلاح وارشاد پر مرکوز رہی-

انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ علمائے اسلام کے ان چاروں طبقات کا یکساں احترام کیا جائے اور جس عالم کا جو میدان اختصاص ہے اس عالم سے اس میدان کے حوالے سے بھرپور استفادہ کیا جائے- کسی ایک گروہ علما کی طرف مائل ہو جانا اور دوسرے سے منحرف یا متنفر ہو جانا سخت احمقانہ عمل اور باعث گمراہی ہے- اسی طرح فقیہ سے عقیدہ، متکلم سے احسان وسلوک، صوفی سے حدیث اور محدث سے فقہ حاصل کرنے کی بات بھی خالص غیر

دانش مندانہ ہے- جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ سخت الجھاؤ کا شکار ہو جاتے ہیں- ایسے لوگوں کے لیے ہی عربی کا مقولہ ہے کہ **اعط القوس باریها** ’کمان ماہر کمان گر کو دو‘ ایسے حضرات کو یہ بات بھی سمجھنی چاہیے کہ **لکل عمل رجال** ’’ہر کام کے خاص مردان کار ہوتے ہیں-‘‘ واضح رہے کہ میری یہ گفتگو ان علمائے فحول سے متعلق نہیں ہے جن کے میدان اختصاص بیک وقت ایک سے زائد رہے ہیں-

....

احادیث رسول کے سلسلے میں صوفیہ کا مذاق و منہج کیا ہے؟ یہ ایک مستقل موضوع بحث ہے جس کا نہ میں اہل ہوں اور نہ ہی یہ مقام اس کا متحمل ہے- البتہ یہاں میں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ حواس خمسہ کے سوا حاسۂ سادس جو وحی والہام کا مہبط ہے، پر جن لوگوں کا ایمان ویقین ہے وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ یہ حاسہ زمانۂ رسالت کے بعد کند نہیں ہو گیا- ختم نبوت محمدی کے بعد صرف یہ ہوا کہ وحی کا تسلسل رک گیا البتہ الہام ومنام کا سلسلہ جاری رہا جسے ایک حدیث میں نبوت کا ۴۶ واں حصہ قرار دیا گیا ہے- (بخاری، کتاب التعبیر، باب الرؤیا الصالحۃ جزء من ستۃ واربعین جزءا من النبوۃ) یہ حصہ بعد کے ادوار میں صالحین ومتقین اور اولیائے کاملین کو تسلسل کے ساتھ ملتا رہا ہے- جو لوگ اس تسلسل کی نفی کرتے ہیں دراصل ان کی مثال اس مردنا کارہ کی ہے جو لذت جنس سے محروم ہے اور وہ اس کا انکار کرتا ہے، ورنہ علمی طور پر ایسے لوگوں کے پاس کتاب وسنت اور اجماع بلکہ عقل وقیاس سے بھی کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جس سے الہام ومنام کے تسلسل کی نفی ہو سکے- اور جب الہام ومنام اور کشف کی حقیقت حدیث رسول سے ثابت ہے تو پھر یہ ماننے میں بھی کوئی قیامت نہیں آجاتی کہ کسی حدیث کی صحت وضعف کے بارے میں کسی عبد صالح کو من جانب اللہ الہام ہو یا بذریعہ کشف اللہ کریم جل شانہ اسے کسی حدیث کی صحت وضعف سے واقف کرادے- البتہ علمائے عقاید نے جب کشف کا دائرہ کار متعین کیا ہے تو یہ کہا ہے کہ ’’**الکشف دلیل لاهله لا لغیره**‘‘ (یعنی کشف صاحب کشف کے لیے دلیل ہے، دوسروں کے لیے نہیں) اور ایسا اس لیے تا کہ ہر بوالہوس حسن پرستی شعار نہ کرنے لگے-

اس کو مطلقاً حجت مان لیا جاتا تو ہر دوسرا شخص اپنے توہمات وخرافات کو ثابت کرنے کے لیے درجنوں جھوٹے کشف کا انبار لگا دیتا اور اس طرح شریعت بازیچۂ اطفال بن کے رہ جاتی۔

اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ جہاں ایک طرف حدیث کے سلسلے میں کسی عارف کامل کی رائے کو مطعون نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ عارف کی وہ رائے اس کے کشف کی بنیاد پر ہو اور علمی وشرعی طور پر اس کا کشف اس کے لیے دلیل و برہان کا درجہ رکھتا ہے تو دوسری طرف جب عام حالات میں نقد حدیث کی بات آئے تو حدیث کی پرکھ کے سلسلے میں محدثین کا جو معیار ومنہاج ہے اس کے مقابل کسی صوفی کا قول پیش کرنا بھی علمی نقطۂ نظر سے غلط ہوگا۔ جس کا جو مقام ہے وہ مقام اسے دیا جانا چاہیے اور جس فن کے جو حدود اور تقاضے ہیں انہیں ملحوظ رکھا جانا چاہیے۔ سخن فہمی لازم ہے، بے وجہ غالب کی طرف داری اچھی نہیں۔

....

''نغمات الاسرار فی مقامات الابرار'' کے اندر ایسے بہت سے افکار ومعانی نظم کیے گئے ہیں جن کو اگر حدیث کہا جائے تو ان پر تفصیلی گفتگو ہو سکتی ہے۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کو حدیث ماننے کی صورت میں محدثین کے معیار ومنہاج پر وہ ضعیف ٹھہریں گی اور شاید ایک دو موضوع بھی نکلیں، لیکن صرف اس وجہ سے اس مثنوی کی فکر وتعلیم پر اعتراض ایک غیر منصفانہ عمل ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحب مثنوی نے ایسی باتوں کے سلسلے میں کہیں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ یہ حدیث رسول ہیں۔ انہوں نے ان باتوں کو اپنے مخصوص اسلوب میں شعری قالب عطا کر دیا ہے اور پوری مثنوی میں کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جسے قرآن و حدیث کے خلاف کہا جا سکے۔ مثال کے طور پر ایک قول ہے **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** اس پر حدیث ہونے یا نہ ہونے کے سلسلے میں تو گفتگو ہو سکتی ہے لیکن اس مفہوم کی صداقت پر کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی اور اس کی وجہ قرآن کی یہ آیت ہے: **الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّی** (روح میرے رب کا امر/ معاملہ/ راز ہے۔ الاسراء: ۸۵) اب ظاہر ہے جو شخص بھی رب ذوالجلال کے امر، معاملہ یا راز سے واقف ہوگا، وہ بالواسطہ اپنے رب سے واقف ہو

جائے گا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے جو شخص وہائٹ ہاؤس کو سمجھ لے گا وہ امریکی نظام حکومت کو سمجھ لے گا۔ یہ ایک سادہ سی بات ہے، بلاوجہ لوگ اس کا افسانہ کرتے ہیں۔

اسی طرح مثنوی کا ایک شعر ہے:

شیخ ہے اپنے مریدوں میں یونہی　　جس طرح سے اپنی امت میں نبی

اس کے حدیث ہونے کا دعویٰ کیا جائے تب تو اس پر حدیث ہونے یا نہ ہونے کی جہت سے فنی گفتگو ہو سکتی ہے لیکن اگر اس کے نفس مفہوم کو کوئی غیر اسلامی یا نادرست کہے تو اس کی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ ایسا شخص یا تو یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ انبیاے کرام کا جو کار دعوت وتبلیغ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہی یا پھر وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کام کو علما واولیا نہیں کرتے یا نہیں کر سکتے، یا اسے قرآن کی اس آیت پر یقین نہیں کہ **فَاسْأَلُواْ أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ** (اہل ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔ النحل: ۴۳) یا وہ اولیا کو اہل الذکر نہیں سمجھتا یا پھر وہ جہالت وناواقفیت کے باوجود اہل ذکر کی اطاعت کو واجب نہیں سمجھتا اور ''**أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ**'' (اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور امیر کی اطاعت کرو۔ النساء: ۵۹) کا اسے کامل ایقان نصیب نہیں ہے۔ بہر کیف! یہ فکری کج روی ہے جو اسے جہالت کی حوصلہ افزائی اور گمراہی کی حمایت پر آمادہ کر رہی ہے۔

....

مثنوی ''نغمات الاسرار'' عام شاعری نہیں، حضرت شیخ مدظلہ کی قلبی واردات اور روحانی وجذبی احوال ہے۔ یہ شاعری اس زمانے کی ہے جب حضرت استغراقی اور نیم جذبی کیفیات سے دوچار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعض اشعار جو مشاہدۂ حق سے تعلق رکھتے ہیں، ظاہری طور پر ناقابل فہم یا شرعی طور پر قابل گرفت ہیں، جیسا کہ احوال ومشاہدات سے متعلق صوفیہ کے کلام میں بالعموم یہ وصف پایا جاتا ہے، کیوں کہ قال سے حال کی صحیح تعبیر لاکھ چاہنے کے بعد بھی ممکن نہیں ہے۔ متقدمین میں شیخ ابن عربی اور متاخرین میں حضرت آسی غازی پوری کی شاعری اس کی بہترین مثال ہے۔ اس مثنوی کی پہلی اشاعت ۱۹۸۸ء

میں ہوئی، پھر ترمیم و اضافے کے بعد دوسری اشاعت ۲۰۰۴ء میں ہوئی اور اب تیسری اشاعت مزید حذف و اضافہ اور بعض اشعار کی ضروری تشریح ''رموز نغمات'' کے ساتھ قارئین کی خدمت میں حاضر ہے- حضرت شیخ نے یہ بات تاکیداً کہی کہ یہی اشاعت مکمل اور صحیح تر ہے- پچھلی دونوں اشاعتیں اس کے بالمقابل ناقص اور نامعتبر ہیں، کیوں کہ یہ اشاعت خود شیخ کے قلم سے کافی حذف و اضافے کے بعد سامنے آئی ہے- پچھلی اشاعتوں کے جو اشعار اس میں شامل نہیں ہیں، انہیں منسوخ سمجھا جائے- یہ اب تک کا آخری ایڈیشن ہے- اس لیے اس کی حیثیت پچھلی اشاعتوں کے لیے ناسخ کی ہے-

اہل دین و دانش خصوصاً صوفیانہ کلام سے محظوظ ہونے والے اہل شوق سے گزارش ہے کہ اس گنجینۂ معانی اور خزینۂ اسرار سے حتی الوسع خوب خوب مستفید اور محظوظ ہوں- اس مثنوی کے حواشی ''رموز نغمات'' کا مطالعہ کریں اور اپنی آرا سے نوازیں- جو اشعار خلاف عقل یا خلاف شرع نظر آئیں حضرت شیخ سے براہ راست ان کی تفہیم کرلیں- اسی طرح ''رموز نغمات'' میں اگر کوئی بات خلاف واقعہ نظر آئے تو مخلصانہ طور سے حاشیہ نگار یا ناشر کو مطلع کریں اور اچھی باتوں پر اپنی مخلصانہ دعاوں سے نوازیں- **ان اللہ لا یضیع اجر من احسن عملا**

ذیشان احمد مصباحی   ۲۵ جولائی ۲۰۱۱ء

تقدیم

پروفیسر مسعود انور علوی

(صدر: شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

شاعری عموماً اپنے جذبات دروں کے اظہار کا نام ہے اور بلفظ دیگر ہزار رنگ سے کاشانۂ دل کو سجا سنوار کر خود اپنے رنگ میں سرخوش و سرمست ہو جانا ہے- یہ شاعری جب کسی کے گوش شنوائی تک پہنچتی ہے تو اس کے وجدان کے جھوم اُٹھنے کا سبب بن جاتی ہے لیکن جب کوئی سعید ازلی، احسان و موہبت الٰہی کا پروردہ و عنایت رسیدہ، انفس و آفاق کا مشاہدہ کرنے والا، صوفی باصفا شعر گوئی کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ صرف اس کے جذبات ہی نہیں بلکہ واردات قلبی کا عکس جمیل بن جاتی ہے-

فارسی شاعری کے ساتھ اُردو شاعری کا دامن بھی ایسے بکثرت شعرا سے مزین ہے جو صاحب سلاسل طریقت، اہل تصوف اور خانقاہوں سے وابستہ رہے ہیں اور اپنے مسلک و مشرب اور حال و مقام کے اعتبار سے بھی سرتا پا تصوف میں غرق رہے ہیں- انہوں نے قولاً، فعلاً اور حالاً تصوف اور انسانیت کی جیسی خدمت کی اس کی نظیر مشکل ہے- انہوں نے اپنے نثری و منظوم سرمایے کے ذریعے تصوف کے اسرار و رموز، حقائق و معارف، اصطلاحات و مسائل اور مشاہدات کو بڑے عام فہم اور دل نشیں پیرائے میں بیان کیا- ان

مشہور صوفیہ میں حضرت شاہ تراب علی قلندر کاکوروی، حضرت مخدوم شاہ خادم صفی، حضرت شاہ عزیز اللہ صفی پوری، حضرت مخدوم شاہ عارف صفی، حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں، حضرت خواجہ میر دردؔ قدست اسرارہم وغیرہم مشہور ہیں۔

حضرت شاہ تراب علی قلندر قدس سرہٗ اپنے معاصر و متاخر صوفیہ میں بہت سی جہات میں نمایاں و ممتاز رہے ہیں کہ ان کا کلام مقصود بالذات ہی نہیں بلکہ اس میں عملِ خیر کا بڑا دل نشیں و موثر پیغام اور انسانیت کو فلاح و کامرانی سے ہم کنار کرنے کے کیمیائی نسخے بھی ہیں۔ انہوں نے تصوف اور توحید و معرفت کے دقیق مسائل کو بھی بڑی سلاست سے حل فرمایا۔ ان کے یہاں زبان و بیان میں چاشنی اور تقریباً دو سو برس بعد کے زمانے سے بھی وہ ہم آہنگی ہے کہ غرابت الفاظ کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ ان کے والد گرامی عارف باللہ شاہ محمد کاظم قلندر علوی کاکوروی بانی خانقاہ کاظمیہ قلندریہ (1745-1806) ایک عظیم صوفی اور اودھی زبان کے قادر الکلام اور غزل گو شاعر تھے جن کا تقریباً پانچ ہزار اشعار پر مشتمل دیوان موسوم بہ ''نغمات الاسرار'' معروف بہ ''سانت رس'' شائع ہو چکا ہے۔

دوسری جانب اُردو شعرا کا ایک بڑا طبقہ وہ بھی ہے جس نے تصوف کے مسائل ، حقائق و معارف اور اسرار و نکات کا بیان جا بجا کیا ہے مگر تصوف ان کا باقاعدہ حال نہ رہا اور نہ وہ خود ان صوفیہ صافیہ کے زمرے میں رہے۔

زیر نظر مثنوی ''نغمات الاسرار فی مقامات الابرار'' اسی پہلے طبقے کے ایک صاحب دل و صاحب حال شخصیت کے قلبی واردات کا حسین و دلکش، سلیس و عام فہم زبان میں مرقع ہے۔

حضرت مولانا شاہ احسان اللہ محمدی صفوی، اللہ ان کے فیوض و برکات کو قائم و دائم رکھے، سلسلہ عالیہ چشتیہ کے شیخ اور آستانہ عالیہ سید سراواں شریف الہ آباد کے زیب سجادہ ہیں۔ انہوں نے تصوف کی تعلیمات، اس کے احوال و مقامات، ان کے ضمن میں لوازم و اہم امور طریقت کے مسائل، اصول و رموز اور نکات کو بڑی مہارت و صناعی سے اُردو الفاظ کے پیکر میں سالکین و طالبین کے لیے جنت نگاہ و فردوس گوش بنا کر پیش فرمایا ہے جو فی زمانا وقت کی ضرورت، تصوف کی بڑی خدمت اور ساتھ ہی مریدین و وابستگان سلاسل کے لیے

قابل عمل ، لائق تقلید اور مشعل راہ بھی ہے۔ آج کے مصروف ترین دور اور اس سائنس و ٹیکنالوجی کی فضا میں سانس لینے والوں کو اتنی فرصت نہیں کہ وہ ان مسائل کی ضخیم عربی و فارسی کتابوں کو پڑھ کر یا کسی صاحب حال و صاحب دل کی صحبت میں بیٹھ کر اپنے لیے صحیح راہوں کا تعین کر سکیں، گویا ؎

غمِ ایّام پہ دم بھر کے لیے غور کریں
اتنی فرصت ترے رندوں کو کہاں ہے ساقی!

نثر کے مقابلے میں نظم اور شاعری کی بالادستی تقریباً ہر دور میں رہی ہے اور شاید اسی وجہ سے شعرا ذہن انسانی پر حکومت کرنے اور اثر انداز ہونے کی بے پناہ صلاحیت رکھتے ہیں اور جہاں شعرا کے رحمٰن و رحیم کے تلمذ اور از دل خیزد کا معاملہ ہو، وہاں یہ چیز سہ آتشہ بلکہ ہزار آتشہ ہو جاتی ہے۔

راقم احقر نے نغمات الاسرار کی نغمگی و اثر آفرینی سے جستہ جستہ بقدر ظرف حظ وافر حاصل کیا۔ ایک صاحب دل صوفی کی واردات قلبی کا آئینہ اس کے رشحات قلم ہوتے ہیں۔ وہ جس طرح اشیا کا مشاہدہ کر کے نتائج اخذ کرتا ہے وہی اس کی تحریر بن کر ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ عشق قواعد و ضوابط کا پابند نہیں ہے، اس لیے ایسی شاعری کو جو ظاہری پیمانوں اور عروض و قوافی کی پابندیوں سے علاحدہ ہوتی ہے، ان حد بندیوں کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔

آں محترم نے یہ مثنوی خصوصاً ان لوگوں کے لیے منظوم فرمائی ہے جو ان کے دامن فیض سے وابستہ ہیں اور جن کے مزاجوں کے وہ سب سے بہتر آشنا ہیں۔ ان کے لیے کیا لفظیات و پیکر تراشی کرنا ہے یہ شاہ صاحب موصوف ہم سب سے بہتر جانتے ہیں۔ اس لیے ان کو ان کے خانقاہی حوالوں سے وابستہ کر کے پڑھنے کا لطف ہی الگ ہوگا۔

یہ مثنوی ۷ اشعار کی تمہید، ۳۲ مختلف عنوانات، ایک مناجات اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ زبان و بیان کی صفائی، بندش کی چستی، سلاست و برجستگی اور سہل ممتنع اپنی مثال آپ ہیں۔ تصوف کے بعض وہ دقیق مسائل بھی جو فلاسفہ و متکلمین اور صوفیہ کے مابین مابہ النزاع

رہے، ان کو بھی بڑی سلاست وعام فہمی سے بیان کیا ہے۔

حدیث شریف ہے: **والذی نفس محمدبیدہ لوانکم ا دلیتم رجلا بحبل الی الارض السفلی لھبط علی اللہ ثم قرأ : ھوالاول والآخر والظاھر والباطن وھوبکل شیٔ علیم** ''اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے، اگر تم سب سے نیچے کی زمین پر رسی لٹکاؤ تو البتہ وہ اللہ پر ہی پڑے گی۔ بعدازاں آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ وہی اول وہی آخر وہی ظاہر اور وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہے۔'' (ترمذی، تفسیر القرآن، سورۃ الحدید)

وہ ذات باری پردہ کی آڑ میں مخاطب ہے، وہ اپنی انانیت کا اظہار فرماتا ہے کہ میرے سوا کچھ موجود نہیں، آسمان وزمین، مکان ولامکاں بلکہ وراء الوراء کچھ نہیں بس میں ہی میں ہوں ''إِنَّنِيْ أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا '' (میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ طٰہٰ:١٤) ''وَفِيْ أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُون '' (وہ تمہارے نفوس میں ہے کیا تم کو نظر نہیں آتا؟ ۔الذاریات:٢١) وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔الحدید:٤) ''نَفَخْتُ فِيْهِ مِن رُّوحِيْ'' (میں نے انسان میں اپنی روح پھونکی۔الحجر:٢٩) ''وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْد'' (ہم انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔ق:١٦)

کائنات کا ذرہ ذرہ حضرت حق تعالیٰ کے ہونے کی گواہی دیتا ہے، بقول شیخ سعدی:

ہر گیاہے کہ از زمیں روید   وحدہ لاشریک لہ گوید

(جو گھاس روئے زمین سے اگتی ہے وہ وحدہ لاشریک کی وحدانیت کا کلمہ پڑھتی ہے)

صاحب نغمات فرماتے ہیں:

بے صداوبے نوا وبے کلام   دے رہاہے ذرہ ذرہ یہ پیام
پتے پتے کی یہی ہے گفتگو   **اشھدان لاالٰہ الاھو**
سبزۂ روئے زمیں ہے ذکر میں   محو حیرت غنچہ و گل فکر میں

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (٦٣٨ھ/١٢٤٠ء) فرماتے ہیں: **الحق**

محسوس والخلق معقول حق تو وجود اصلی ہے اور خلق حقیقت میں کچھ بھی نہیں، صرف سمجھ کا پھیر ہے، یعنی وجود حق اصلی ہے اسی کے ذریعے سے خلق کا وجود قائم ہے جو محض خیالی اور تعین عدمی ہے۔ موجود حقیقی ایک کے علاوہ ہے ہی نہیں، اگر ایک سے زیادہ ہوگا تو ناقص ہوگا اور ناقص بذات خود موجود وقائم نہیں رہ سکتا بلکہ ذات حق تمام صفات میں جلوہ گر ہے اور من کل الوجوہ ظہور ذات ہی ہے۔

حضرت حق کی بندہ کے ساتھ معیت وہم نشینی کے سلسلے میں ارشاد ربانی: فَأَيْنَمَا تُوَلُّواْ فَثَمَّ وَجْهُ اللّهِ (البقرہ:١١٥) وَفِيْ أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُون (الذاریات:٢١) کی تشریح وتفسیر میں فرماتے ہیں:

کھول کر چشم حقیقت بے گماں   دیکھ ہر شے میں ظہور جل شاں
کس گماں میں تو پڑا ہے بے خبر   حق تری صورت میں خود ہے جلوہ گر
ڈھونڈتا پھرتا ہے تو اس کو کہاں   جو تری ہستی کے اندر ہے نہاں

حضرت سرمد اسی معیت وعینیت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

اے آں کہ شب وروز خدا می طلبی   کورے اگر از خویش جدا می طلبی
حق با تو بہر زمان سخن می گوید   سر تا قدمت منم ، کجا می طلبی؟

(اے وہ شخص جو دن رات خدا کو تلاش کر رہا ہے، تو نابینا ہے کہ اس کو اپنے سے الگ ڈھونڈ رہا ہے۔ حق تعالیٰ تجھ سے ہر لمحہ یہ فرما رہا ہے کہ تیرے سر سے پاؤں تک میں ہی ہوں، تو کہاں مجھے ڈھونڈ رہا ہے؟)

مولانا روم اسی مقام سے خبر دے رہے ہیں:

اتصال بے تکیف بے قیاس   ہست رب الناس را با جانِ ناس

رب تعالیٰ کو انسان سے بے کیف وبے قیاس وانداز ہ اتصال ومیل ہے۔

حضرت تراب علی قلندر کاکوروی فرماتے ہیں:

گر آرسی ہو صاف تو چہرہ نظر آئے
حق چمکے ہے اس دل میں نہ ہو جس میں کدروت

جب تک خودی ہے تب ہی تلک ہے خدا جدا
غیبت گر آپ سے ہو تو حق کا ظہور ہے

آئینۂ دل کو جب تک خودی کے زنگار سے صاف نہیں کیا جاتا، اس میں محبوب کا عکس نہیں آ سکتا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں:

سعدی حجاب نیست تو آئینہ صاف دار
زنگار خوردہ کے بنماید جمال دوست

(سعدی! تجھ میں اور اس میں کوئی پردہ نہیں ہے تو آئینۂ دل کو صاف رکھ کیوں کہ زنگ خوردہ اور میل وکچیل والا آئینہ دوست کے جمال کو کیسے دکھا سکتا ہے؟)

تیری خود بنی حجاب اس نور کا — کاش تو خود سے نکل کر دیکھتا
(نغمات)

سلطان العارفین حضرت سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

وتزعم انک جرم صغیر — وفیک انطوی العالم الاکبر

(تو اپنے آپ کو ایک حقیر ومعمولی ذرہ سمجھ رہا ہے، حالانکہ تیری ذات میں ایک بڑا عالم پوشیدہ ہے۔)

بے خبر اک راز کی دنیا ہے تو — شان حق کی تجھ سے ہوتی ہے نمو
تیری رگ رگ میں تجلی ہے نہاں — تو سراپا ہے نشان بے نشاں
تیری ہستی ہے ظہور حسن ذات — تو حقیقت میں ہے نور کائنات
تجھ میں شنوا اور بینا ہے وہی — شعر کے پردہ میں گویا ہے وہی

جو شخص اپنی حالت وکیفیت کے اعتبار سے اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے کہ میں کسی رب کا مربوب ہوں یعنی اسمائے حسنٰی میں کسی اسم سے متعلق ہوں، وہ اپنی اسی حالت وکیفیت کے لحاظ سے حسب استعداد اپنے رب کا عرفان حاصل کرسکتا ہے۔ حدیث شریف ہے کہ **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** (کشف الخفاء:۲/۲۶۴، داراحیاء التراث العربی) جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ تخلیق کا مقصد عرفان نفس

ہے۔ شہنشاہ مفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ** (الذاریات:۵۶) کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں (**اي ليعرفون**) یعنی مجھے پہچانیں۔ (تفسیر روح المعانی، ۵۰/۱۵، داراحیاء التراث العربی) قیامت کے روز ہر انسان اپنے رب کے دیدار سے حسب استعداد مشرف ہوگا، اسی لیے عرفان نفس لازمی قرار پایا۔ (**القول المؤجه في تحقيق من عرف نفسه فقد عرف ربه** مصنفہ حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر علوی کاکوروی اس حدیث کی تشریح وتعبیر میں بڑی اہمیت کی حامل ہے)

من عرف نفسہ سے حال کھلا — آپ کو جانے حق کو پہچانے

عالم لاہوت سے مراد محویت، گنج مخفی اور عالم ذات الٰہی ہیں جہاں سالک کو مقام فنافی اللہ کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک اس زندگی کو کہتے ہیں جو اشیاے ناسوت میں جاری وساری ہے اور جس کا مقام روح ہے، بعض مرتبۂ ذات کو لاہوت، مرتبۂ صفات کو جبروت اور مرتبۂ اسما کو ملکوت کہتے ہیں۔ جبروت سے مراد اسما وصفات الٰہی کی عظمت اور واحدیت کا مرتبہ ہے کیوں کہ یہاں پر بے شمار اعیان کا مشاہدہ ہوتا ہے جس سے سالک کے دل میں حضرت حق کی رفعت وعظمت طاری ہوتی ہے۔ نیز عالم ملکوت عالم غیب کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ ملائکہ کا عالم ہے۔

بعض حضرات صوفیہ صافیہ قدس سرہم نے ۶ مراتب عروج بیان فرمائے ہیں؛ ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، ہاہوت۔ ناسوت کی مثال خواب کی، ملکوت کی بیداری کی، جبروت کی معیت کی، لاہوت کی عینیت کی، ہاہوت کی غیبوبیت کی، یہاں پر معیت وعینیت دونوں مفقود، نہ موحد نہ توحید، نہ بندہ نہ بندگی، نہ ہستی نہ ذات، نہ صفت نہ موصوف، نہ اسم نہ موسوم، گم گشتگی در گم گشتگی، خود فراموشی در خود فراموشی۔

عین ایں وادی فراموشی بود — گنگئ وکرئ و مدہوشی بود

جب اعتبارات اٹھ گئے تو پھر ناسوت اور ہاہوت ایک ہوگئے، اسی کو ناسوت الطف بھی کہتے ہیں۔

گم شدن درگم شدن دین من است　　نیستی در ہست آئین من است

اسی مقام سے فرمایا گیا ہے۔

شمس الحق تبریزی از بس کہ درآمیزی
تبریز خراساں شد تا باد چنیں بادا

اسی کو مرتبہ شہود کہتے ہیں۔

ہر کرا ذرۂ شہود بود
پیش ہر ذرہ در سجود بود

حضرت حق تعالیٰ نے حضرت غوث الاعظم سے ارشاد فرمایا: **کل طور بین الناسوت و الملکوت فھو شریعة وکل طور بین الملکوت والجبروت فھو طریقة وکل طور بین الجبروت واللاھوت فھو حقیقة۔**

(ناسوت اور ملکوت کے درمیان ہر طور شریعت، ملکوت وجبروت کے درمیان طریقت اور جبروت ولاہوت کے درمیان حقیقت ہے)

حضرت حق تعالیٰ کے مراتب وجود میں وحدت، واحدیت اور احدیت کا تذکرہ حضرات صوفیہ کے یہاں برابر ہوتا ہے، لغوی اعتبار سے ان کے کیا معنی ہیں مختصراً سمجھ لیا جائے ورنہ معاملہ تو یہ ہے۔

داستان شوق جب پھیلی تو لامحدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام بن کر رہ گئی

وحدت سے مراد ذات بحت اجمالی، حب ذاتی، حقیقت محمدی اور برزخ کبریٰ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سوائے وجود حق کے کوئی چیز موجود نہ تھی، واحدیت اسماوصفات کے ساتھ مرتبہ ذات ہے، اس میں اعیان ثابتہ (صور علمیہ) ظاہر ہوئے اور یہی تمام کثرت کی اصل اور سب کا منشا ہیں۔ احدیت سے مطلب بغیر اسماوصفات کے اعتبار ذات ہے، ذات اسماوصفات سے عاری نہیں بلکہ اس طرح پر کہ اس مرتبہ میں اسماوصفات پر نظر نہ کی جائے، اگرچہ وہ سب ذات میں موجود ہیں۔

موحد کا مرتبہ بہت اعلیٰ ہے، موحد کامل وہ ہے جو توحید حق اور اس کی وحدت میں استوار، مضبوط اور یکتا وڈوبا رہے اور یگانگی حق کے سوا کچھ نہ دیکھے۔ ذات حق میں ایک ہو، اپنی خودی وغیریت سے بالکل فارغ اور عینیت حق میں مستغرق ہو، ہر شئے میں اسی کا جلوہ دیکھتا ہو، ہر کام حق تعالیٰ سے کرتا ہو، اس کی بصارت وبصیرت ایک ہو چکی ہو۔

توحید کا مقام سب سے بلند ہے حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی نقش بندی فرماتے ہیں:

''عارف کے لیے اس سے بلند مقام کوئی نہیں۔ اس مقام میں فنائے کلی، انعدام صرف ہے، یہ کلیہ فنا کے مقام سے ہے۔ سالک کے لیے جو کچھ ضروری ہے وہ یہی خیال وحدت ہے۔ رات دن اسی کی کوشش کرنا چاہیے کہ کثرت موہومہ جو بعنوان غریب نظر میں آتی ہے، نظر سے ساکت ہو کر وحدت کا آئینہ ہو جائے اور سالک ایک کے سوا نہ دیکھے، نہ جانے اور نہ پڑھے۔

دو مبیں و دو مداں و دو مخواں　　خواجہ را در بندۂ خود محو داں

تم اگر سالہا سال عبادت گزاری وفرماں برداری اور اذکار واشغال میں مشغول رہو اور وحدت سے غافل رہو تو وصل سے محروم رہو گے۔ (حقیقۃ الحقائق مترجمہ مولوی حافظ شبیب انور علوی سلمہ)

توحید کی چار قسمیں ہیں:

(۱) توحید اسمائی یعنی تمام اسمائے جملہ موجودات کو اسمائے الٰہی جانے۔

(۲) توحید افعالی یعنی تمام افعال جملہ موجودات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے۔

(۳) توحید صفاتی یعنی تمام صفات موجودات کو صفات الٰہی جانے۔

(۴) توحید ذاتی یعنی تمام موجودات میں ذات واحد کے سوا کچھ نظر نہ آئے۔

توحید کی راہ میں ہے ویرانہ سخت　　آزادی و بے تعلقی ہے یک لخت
دنیا ہے نہ دیں ہے نہ دوزخ نہ بہشت　　تکیہ نہ سرائے ہے نہ چشمہ نہ درخت

غرض کہ توحید منزل نامرادی ہے۔ شاہ تراب علی قلندر قدس سرہ فرماتے ہیں:

عاشقی کان نامرادی ہے　　عشق دکان نامرادی ہے

کون اس راہ میں قدم رکھے   یہ تو میدان نامرادی ہے
اس کی بے التفاتی واستغنا   ساز و سامان نامرادی ہے
نامرادی کی بھی طلب نہ رہے   یہی پایان نامرادی ہے
اہل فقر و فنا ہیں جو ان پر   نت نئی شان نامرادی ہے
ہے عجب ان دنوں ترابؔ کا حال   دست و دامان نامرادی ہے

ان سطور کے بعد صاحب نغمات کے وحدت کے بیان کو ملاحظہ فرمایئے اور اس میں گم ہو جایئے۔حضرت شاہ تراب علی قلندر قدس سرہ اسی عینیت و یک رنگی کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

جیسے موجیں عین دریا ہیں حقیقت میں ترابؔ
ویسے عالم عین حق ہے غیر حق عالم نہیں

نور کے پردہ میں پنہاں ہے وہی   اور اس پردہ سے عریاں ہے وہی
ہر طرف ہر سمت ہے جلوہ نما   بس اسی کی ذات بے چون وچرا
حور و غلماں جن و انساں اور پری   سب ہیں اس کے نور کی جلوہ گری

(نغمات)

ایک قطرہ بھی نہ پایا میں نے پانی کے سوا
جزو ایسا کون ہے جس میں وجود کل نہیں
وحدت کی آنکھ سے جو نظر بھر کے دیکھیے
عالم ز ارض تا بہ سماوات ایک ہے

(تراب)

غور سے دیکھو تو کوئی بھی نہیں   ماسوائے ذات رب العالمیں
از زمیں تا آسمان کبریا   بس خدا ہے بس خدا ہے بس خدا

(نغمات)

غیریت و بے اعتباری کے پردہ میں پوشیدگی، گم گشتگی کے صحرا میں بے دست و

پالا کر چھوڑ دیتی ہے، ورنہ **فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ** (البقرہ:۱۱۵) کا مشاہدہ دم نقد ہوتا ہے۔

علم کی غیرت نے ڈالا دور سب کو یار سے
ورنہ ہر صورت میں دیکھو جلوۂ محبوب ہے
زمیں سے تا بہ فلک بلکہ اور عرش تلک
جو دیکھتا ہوں تو سارا وجود ہے اپنا

حضرت شیخ اکبر اور ان کے متبعین **اللّٰہ نور السمٰوات والارض** کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نور بہ معنی ظہور اور ظہور بمعنی وجود یعنی اللہ تعالیٰ کا وجود حقیقت ہے۔بیس سال کی عمر کے ایک عارف و صاحب مقام اعراف مولانا تقی حیدر قلندر قدس سرہ اسی مقام سے فرماتے ہیں:

''قربان اس شاہد بے پروا ولاابالی کے جس نے اپنے کمال بے نیازی میں جمال وجلال سے آراستہ ہو کر جمال کے جلال کا نام عشق اور جلال کے جمال کا نام حسن رکھ کر اپنے مصر ملاحت میں مستانہ وار ''**اللّٰہ جمیل یحب الجمال**'' فرمایا اور ہنگامہ آرائی شہود خودنمائی وخود بینی ہوا ۔

یار من با کمال رعنائی   خود تماشا و خود تماشائی
شد چوں حب نظارہ دامن گیر   گشت مطلق بدام قید اسیر
از تقاضاے حب جلوہ گری   آمد اندر حصار شیشہ پری

جلال نے جمال کو دیکھا جمال نے جلال کو پایا، یہ پہلا ناز معشوقانہ تھا کہ اس نے اپنی شدت ظہور کی وجہ سے جمال کی نظر سے جلال کی شوخی میں اور جلال کی نظر سے جمال کی خوبی میں پوشیدہ ہو کر عزت و کبریائی سے فرمایا کہ ''**یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ وَاللّٰهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ**'' (اللہ تعالیٰ تم کو اپنے آپ سے متنبہ کرتا ہے، وہ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ال عمران:۳۰) اور یہ دوسرا انداز دل فریبی تھا کہ اپنے بطون کی نقاب ظہور کے چہرہ سے ہٹا کر اپنے کمال کی نظر میں ہزاروں جاہ وجلال وحسن و جمال کے ساتھ بے پردہ مشہود ہوا

اورایک شورانگیز تبسم سے فرمایا کہ "أَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه "(تم جدھر بھی رخ کرو اسی طرف وجہ اللہ ہے- البقرہ:۱۱۵)اور یکتائی بے حرف وصوت سے گویا ہوا کہ "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ"(آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر پاتیں بلکہ وہ کرتا ہے، وہ تو بہت ہی مہربان و باخبر ہے-الانعام:۱۰۳) یہی وہ الف ہے کہ جس نے مشہد بسم اللہ میں اپنی تنزیہ کی تشبیہ معانی میں اور اپنی تشبیہ کی تنزیہ صورت میں ثابت کر کے ظہور وبطون کو ایک کر لیا ہے کہ بجز وجود محض کے تنزیہ وتشبیہ وظہور وبطون میں کچھ نہ رہا جیسا کہ نہ تھا۔

کہ بندد طرف او از حسن شاہی　　　کہ باخود عشق ورزد جاودانہ

یہی عشق ہے جس کی طرف، نزول کے اعتبار سے حدیث قدسی **کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق** "میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے یہ چاہا کہ مجھے پہچانا جائے تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا" (کشف الخفاء: ۱۳۲/۲، دار احیاء التراث العربی) میں لفظ **فأحببت** سے اشارہ ہے اور عروج کے اعتبار سے اس کی تعریف **العشق ناریحرق ماسوی المحبوب** (عشق ایسی آگ ہے جو معشوق کے ماسوا کو جلا کر خاک کر دیتی ہے) یعنی نیستی بھی حضرت عشق کا تقاضا ہے اور ہستی بھی ان ہی حضرت کا کھیل ہے، سچ تو یوں ہے کہ تنزیہ وتشبیہ وظہور وبطون صفات وشیون ہیں اور حضرت عشق محض ذات بے چون وچگونہ۔

عشق شاہ وعشق ماہ وعشق راہ　　　بر سر خود عشق می پوشد کلاہ
عشق عالم عشق آدم بالیقیں　　　ہرچہ بینی در حقیقت عشق بیں
عشق وہم وعشق فہم وعشق ہوش　　　عشق دست وعشق پا وعشق گوش
عشق صورت در جمال خود نمود　　　جملہ اشیا در حقیقت عشق بود
چند گویم عشق ایں وعشق آں　　　ہرچہ بینی عشق بیں وعشق داں

اسی عشق کا کرشمہ ہے جس نے احدیت کو وحدت میں منزوی کیا اور وحدت کو واحدیت میں مخفی رکھا -عناصر اربعہ کو واحدیت سے ظاہر کیا، صفات کو حجاب ذات قرار

دیا اور پھر ذات اپنے تمام حجابات صفاتی واسمائے کونی میں بے پردہ وبے حجاب خود در خود متجلی ومشہود رہی، کعبہ کی سجدہ ریزی، سومنات کی خاک بیزی، صومعہ کی خلوت، خرابات کی جلوت، شمع کا نور، پروانہ کا سرور، بادہ کا جوش، پیمانہ کا نوشانوش، حسن کو آن، جسم کو جان، زلف کو تسلسل، نگاہ کو کیف، پانی کی روانی، آتش کی تیز زبانی، خاک کی بربادی، باد کی آزادی، چشم کو نور، دل کو حضور، کثرت کو وحدت، وحدت کو کثرت، گلشن کو آب، گل کو تاب، آنکھ کی بینائی، دل کی دانائی سب اسی کا تصدق وطفیل ہے۔

ہرچہ گویم عشق را شرح و بیاں　　　چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں

اسی عشق کا نام مرتبۂ الوہیت میں اللہ ہے اور صرافت اطلاق میں احد اور مرتبۂ صمدیت میں ناشی اور حقیقت واحدیت میں عاقب، عالم امر میں ماحی اور روحانیت میں احمد اور بشریت میں محمد ﷺ ہے اور چونکہ یقین اعتدالی انسانی محمدی بذاتہ جامع الکمالات ہے لہٰذا تمام مراتب عشقی کو اس نے بیک دفعہ بتمامہ گھیر لیا اور تمام انفس وآفاق میں جاذبات عشقی سے طلاطم مچا دیا، ایک ذرہ بھی ایسا نہ چھوڑا جس کا فی نفسہ عین نہ ہو گیا ہو اور چونکہ تعین محمدی نے بوجہ اپنی بشری جامعیت کے ذاتی کمال کے عشق کے شیونات کو بالکلیہ اپنے میں لے لیا، تو مرتبۂ الوہیت سے آپ کو محبوبیت کی خلعت عطا ہوئی؛ کیوں کہ اپنے ساتھ آپ محبت ہونا الوہیت کا تقاضائے ذاتی ہے، بالجملہ عشق ایک ذات ہے جس کے دو ظہور ہیں عاشق ومعشوق بلکہ ایک ظہور ہے جس کے دو نام ہیں احد احمد۔

زاحمد تا احد یک میم فرق است　　　جہانے اندراں یک میم غرق است

احمد کی میم سے محمدی بشریت کی اجمالی حالت کی طرف اشارہ ہے جس کا تفصیلی ظہور تمام کائنات ہے جس کے بمناسب میم کے اعداد کے چالیس عوالم ہیں اور چوں کہ آپ تمام مراتب کونیہ میں بیک دفعہ بے تکلف اپنے اسم ناشی کی صمدیت کے ساتھ طاری وساری ہو گئے لہٰذا تمام عالم میں بجز صرافت عشقی کے کچھ باقی نہ رہا یعنی میم احمد عین احد ہو کر احد کی احدیت میں گم ہو گیا۔

محمد جملہ عشق آمد ازیں رو　　　دل و جان حسن قربان عشق است

یہ ایک وجود صرف رہ گیا جو ازل و ابد میں "الآن کما کان" ہے اور اسی وجود کا سریان عوالم آفاقی میں مثل میم کے سریان کے اپنے اعداد میں ہے" (مناظر الشہود ص:۳،۵)

صاحب نغمات نے حدیث قدسی "کنت کنزا مخفیا الخ میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا الخ کی تفسیر میں ۱۲۳ اشعار بڑی سلاست سے پیش فرمائے ہیں:

باعث تخلیق آدم عشق ہے   پیکر آدم مجسم عشق ہے
عشق ہے اسرار حق کا رازداں   عشق ہے مقصود حرف کن فکاں
ذرہ ذرہ عشق میں سرشار ہے   جملہ عالم عشق کا اظہار ہے
عشق ہے نور ظہور کبریا   عشق ہے وجہ نمود مصطفیٰ
حامل راز خدائی عشق ہے   اور سر مصطفائی عشق ہے

حضرات صوفیہ نے لکھا ہے کہ تخلیق کائنات کے ہنگامے کی رونمائی حدیث قدسی کی روسے فاحببت (تو میں نے چاہا) کی منت پذیر ہے- اسی لیے ہر ایک نے اپنے عرفان و مشاہدہ سے حضرت عشق کی تفسیر کی ہے- قارئین کرام کے ذوق کی خاطر عصر حاضر کے ایک نوجوان صاحب دل و عرفان کے واردات قلبی پیش ہیں:

عشق خواہد عاشقاں را سربکف   عشق باشد ہر زماں تیغ بکف
عشق جوید قلب بریاں ہر قدم   عشق بیند چشم گریاں دم بدم
عشق چوں شہباز آید بے گماں   عشق گیرد صد شکار از یک کماں
عشق تابد بر زمین و آسماں   عشق نازد بر قلوب عاشقاں
عشق بگرفت ایں جہان وآں جہاں   عشق خیمہ زد بہ ملک لامکاں
عشق آرد لامکاں را در مکاں   عشق گفتہ روز اول کن فکاں
عشق نور و عشق نار و عشق پاک   عشق آب و عشق باد و عشق خاک
کیست عاشق چیست عشق ذوالجلال   ایں بیاں رانیست طاقت نے مجال

(حضرت حافظ تقی انور قلندر کاکوری)

(حضرت عشق ہمیشہ یہ چاہتے ہیں کہ عاشق ہمیشہ سربکف رہیں- عشق کے ہاتھوں

میں ہر وقت تلوار رہتی ہے- وہ ہر ہر قدم پر اس دل کو تلاش کرتا ہے جو اس کی یاد میں جھلسا و بھنا ہوا ہو- وہ ہر وقت آنکھوں کو اشک بار دیکھنا چاہتا ہے- عشق شہباز کی طرح اچانک نمودار ہوتا ہے اور ایک ہی کمان سے سو سو شکار کرلیتا ہے- وہ زمین و آسمان کی چمک دمک کا سبب ہے- وہ ان دلوں پر ناز کرتا ہے جو ہر وقت عشق محبوب میں ڈوبے ہوئے ہیں- اس کے قبضہ میں دونوں جہان ہیں- اس کا خیمہ لامکاں میں ہے- وہ لامکاں کو مکاں کی سیر کراتا ہے- عشق ہی ہے جس نے روز ازل ہی سے ایک کــن (ہوجا) سے ساری کائنات جلوہ گر کردی- عشق نور بھی ہے، نار بھی ہے- وہ پاک بھی ہے خاک بھی، آب بھی ہے باد بھی ہے- عاشق آخر کون ہے؟ ذوالجلال والاکرام کا عشق آخر ہے کیا چیز؟ اسے نہ بیان کی طاقت ہے نہ مجال شرح وتفصیل-)

کلام پاک کی آیت کریمہ "هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ الخ" (الحدید:۳) اپنے اندر دو جہتیں رکھتی ہے- ایک سے وہ حمد الٰہی ہے اور دوسری سے نعت نبوی- احادیث نبویہ ہیں "أول ما خلق الله نوری" اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کی تخلیق فرمائی- (مصنف عبدالرزاق) کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد" میں اس وقت نبی تھا جب آدم کی تخلیق نہ ہوئی تھی- (مستدرک حاکم، کتاب تواریخ المتقدمین من الانبیاء والمرسلین، ذکر اخبار سید المرسلین، حدیث ۴۲۰۹) ھو نور نبیک یا جابر خلقه الله، ثم خلق فیه کل خیر و خلق بعده کل شیء - (الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف لعبد الرزاق، ص:۶۵) "اے جابر! سب سے پہلے اللہ نے تمہارے نبی کے نور کو پیدا کیا پھر اس میں ہر خوبی رکھی اور اس کے بعد ہر چیز پیدا فرمائی-"

حقیقت محمدی اور مقام نبوی سے واقف ہونے کے لیے کلام پاک کی جانب رجوع کیجئے تو پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنٰی رؤف، رحیم، مومن، خبیر، علیم، وغیرہ سے ہی موسوم نہیں فرمایا بلکہ آپ کے عمل کو اپنا عمل قرار دیا" وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ" جب آپ نے پھینکا تو آپ نے نہیں پھینکا بلکہ درحقیقت وہ اللہ نے پھینکا تھا- (الانفال:۱۷) "إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ

أَیُدِیُھِمُ"، جولوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔(الفتح:۱۰)" مَّنُ یُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدُ أَطَاعَ اللّٰہَ"، جورسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ (النساء:۸۰)اسی مقام سے زبان نبوت ارشادفرماتی ہے کہ "من رآنی فقد رأی الحق"، جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا۔(صحیح مسلم،الرؤیا)شاعر بارگاہ رسالت حضرت حسان بن ثابت انصاری فرماتے ہیں:

وضم الالٰہ اسم النبی الی اسمہ
اذاقال فی الخمس الموذن أشھد
وشق لہ من اسمہ لیجلہ
فذوالعرش محمود وھذامحمد

(اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے نام نامی کو(محبت ویگانگت کی بناپر)اپنے نام میں ضم کرلیااوروہ اس طرح کہ جب موذن پانچ وقت کی اذان میں اشھدان لاالٰہ الااللہ کہتا ہے تواسی کے ساتھ اشھدان محمدارسول اللہ بھی کہتا ہے۔اس نے آپ کی تعظیم وتکریم کی خاطر آپ کے نام مبارک کواپنے ہی نام سے نکالا اوروہ اس طرح کہ عرش والاالمحمود ہےاورآپ محمد،اوردونوں ناموں کامادہ "حمد" ایک ہے۔)

ارباب تحقیق نے لکھا ہے کہ کلام پاک کی آیت مبارکہ "قُل لَّوُ کَانَ الُبَحُرُ مِدَاداً لِّکَلِمَاتِ رَبِّیُ الخ" (الکھف:۱۰۹)اے رسول! آپ ان لوگوں سے فرمادیجیے کہ اگرتمام سمندروں کے پانی کی روشنائی بن جائے اورآپ کے پروردگار کے کلمات یعنی آپ کی تمام صفات حمیدہ اورخصائل ظاہری وباطنی کابیان کیاجائے توسمندروں کی روشنائی ختم ہوجائے گی۔

دفترتمام گشت و بہ پایاں رسید عمر   ماہم چناں دراول وصف تو ماندہ ایم

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ وہ تمام آیات جن میں حضور ﷺ کی برابری ومساوات معلوم ہوتی ہووہ متشابہات کے مثل ہیں،جیسے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی مثال

یوں دیتا ہے "مَثَلُ نُورِہٖ کَمِشُکَاۃٍ فِیُھَا مِصُبَاح" (اس کا نورایسا ہے جیسے طاقچہ میں چراغ۔النور:۳۵)اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ نورالٰہی چراغ جیسا ہے۔اسی طرح کوئی یہ نہیں سوچ سکتا کہ حضور ﷺ نعوذ باللہ ہم جیسے بشر ہیں۔

محمد بشر لاکالبشر   بل ھو یاقوت بین الحجر

محمد ﷺ بشر تو ہیں مگرعام بشر جیسے نہیں،آپ کی مثال ایسی ہے جیسے پتھروں میں یاقوت

مرزااسداللہ خاں غالب کہتے ہیں۔

حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است   آرے کلام حق بزبان محمد است

رسول اکرم اروا حنا فداہ ﷺ آئینۂ حق ہیں جس کے دورخ ہیں اوراگرایسا نہ ہوتا توکائنات کی حقیقت بے معنی ہوتی اوراس کا قالب بے فیض ہوتا۔آئینہ کاایک رخ اللہ کی طرف ہے جہاں سے ارشادہوتا ہے "وَمَا یَنطِقُ عَنِ الُھَوَی اِنُ ھُوَ اِلَّا وَحُیٌ یُوحَی" (النجم:۳،۴) وہ اپنی خواہش اورمرضی سے کچھ نہیں فرماتے۔ان سے توجوکچھ اللہ فرماتا ہے وہ وہی فرماتے ہیں۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اوردوسرارخ مخلوق کی طرف ہے جس سے ارشاد ہے "اِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثُلُکُمُ الخ"، بے شک میں تم جیسا بشر ہوں۔(الکھف:۱۱۰)حضرت شاہ بوعلی قلندر پانی پتی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

تو بودی معنی آدم عزازیلے اگر داند   زاول روز تامحشر نمی برداشت پیشانی

(آپ آدم اورآدمیت کا سر ہیں،اگرشیطان کویہ معلوم ہوجاتا تووہ قیامت تک سجدہ سے پیشانی نہ اٹھاتا)۔

نہ پیچیدہ سر از طاعت اگر ابلیس دانستے
کہ مثل تو چوں فرزندیست در ذریت آدم

(اگرشیطان کو یہ پتہ چل جاتا کہ حضرت آدم کی اولاد میں آپ جیسی ہستی ہوگی تووہ ان کوسجدہ کرنے سے کبھی انکارہی نہیں کرتا۔)

کلام پاک کی بے شمار آیات میں آں حضرت ﷺ کی بارگاہ میں ادب و تعظیم وتکریم میں غلو کا بھی حکم ہے- سورۂ حجرات میں تو صاف فرمادیا کہ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند مت کرو اور جس طرح آپس میں گفتگو کرتے ہو، اس طرح ان سے گفتگو نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تمہاری ذراسی بے ادبی تمہارے سارے نیک اعمال کو برباد کردے اور تم کو خبر بھی نہ ہو- (الحجرات:۲) دوسری جگہ ارشاد باری ہے، "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ لاَ تَقُولُواْ رَاعِنَا وَقُولُواْ انظُرْنَا" (البقرۃ:۱۰۴) اے ایمان والو! حضور سے یہ مت عرض کرو کہ ہمارا خیال کیجیے بلکہ یوں عرض کرو کہ ہمارے اوپر نظر کرم فرمایئے-

عزت بخاری کا ایک شعر ہے ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یعنی زیر آسمان ایک ایسی بھی جائے ادب ہے جو اپنی عظمت و رفعت اور نزاکت میں عرش سے زیادہ ہے اور جہاں حضرت سید الطائفہ سرگروہ ارباب صحو جنید بغدادی اور سرخیل ارباب سکر حضرت سیدنا بایزید بسطامی جیسے کاملین دم بخود ہیں، اور اخیر میں اسی فیصلہ پر بات ختم کرنی پڑتی ہے ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم / کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد ست

(غالب! ہم نے آقائے دوجہاں کی حمد وثنا کو خدائے بزرگ وبرتر کے لیے چھوڑ دیا، وہی پاک ذات سرکار دوعالم ﷺ کا مقام ومرتبہ جانتی ہے-)

ان تمہیدی کلمات کے بعد حضرت صاحب نغمات کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

عالم تنزیہ سے نور خدا / شان تشبیہی میں ہے جلوہ نما
شکل احمد میں ہے متشکل احد / ہر تجلی میں ہے متجلی صمد
بے گماں بے کیف بے چون وچرا / یوں ہی احمد میں احد ہے خودنما
خود کلام اللہ میں ہے یوں رقم / بے ادب **لاترفعوا اصواتکم**
جو ہو گستاخ رسول کبریا / عین کافر ہے وہ مردود خدا

حکم ربی ہے کہ **من یطع الرسول** / غور سے اس کو سمجھ اے بوالفضول
آپ کی عظمت عیاں بے قال وقیل / آپ کی رفعت مسلم بے دلیل
اللہ اللہ عظمت شاہ رسل / فہم مخلوقات سے بالا ہے کل
وہ بشر ایسا بشر ہے بالیقیں / جس کے آگے سر بہ خم روح الامیں
اس کا کوئی مثل اور ثانی نہیں / وہ سراپا نور رب العالمیں
من رآنی سے یہ عقدہ حل ہوا / آپ ہیں آئینۂ ذات خدا

صاحب نغمات نے اولیاء اللہ کی عظمت وشان، شریعت وطریقت وحقیقت، شیخ کامل کی ضرورت واہمیت وغیرہ کے ضمن میں بھی اشعار قلم بند فرمائے ہیں- نبوت کا خزانہ بند ہوچکا ہے مگر ولایت کا خزانہ ابدالآباد تک صرف میں ہے- حدیث شریف میں ہے کہ "**واشوقاہ الی لقاء اخوانی من بعدی**" مجھے اپنے ان بھائیوں سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے جو میرے بعد ہوں گے- یہ وہی حضرات ہیں جن کے لیے ارشاد ہے "**ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم**" وہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا- (صحیح مسلم، باب فضل مجالس الذکر) سلسلۂ عالیہ چشتیہ کی ایک عظیم المرتبت شخصیت حضرت شیخ ابوجعفر حسینی مکی قدس سرہ ۱۰/ذی الحجہ ۸۲۴ھ کے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت صمدیت جلت قدرتہ کے ایسے محبّ بھی روئے زمین پر ہیں کہ خط دین کے قواعد ان کے اقدام صدق سے معمور ہیں اور آدم وآدمیت کا سر ان کے احوال کے جمال سے پاک ہے- وہ عرض ولایت کے سلطان اور بارگاہ عنایت کے ستون ہیں- ان کی ہمت کا ہما سوائے قاب قرب کے کہیں نہیں بیٹھتا- ان کی دولت کا عنقا سوائے سدرۂ کبریائی کے کہیں قرار نہیں پاتا- وہ وحدت کے ایسے شاہباز ہیں جن کی ہمت کی اکسیر بادیۂ جہالت کے مردود کو خالص سونا بنادیتی ہے- وہ جناب حضرت صمدیت کے ایسے پاکباز ہیں جن کے مبارک انفاس کی برکت سے وہ گمراہوں اور ظالموں کو قبول کرکے مقبول بنادیتا ہے- یہ محبوب حضرت لایزالی کے شہباز صحرائے محبت میں ڈیرے ڈالتے ہیں لیکن دیکھنے والوں کو آنکھیں میسر نہیں کہ وہ ان حضرات کے محرم ہوسکیں"

حدیث قدسی ہے ”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ تعالیٰ قال من عادیٰ لی ولیا فقدآذنته بالحرب وماتقرب الی عبدی بشئ احب الی مما افترضت علیه ومایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها وان سألنی لاعطینه ولئن استعاذنی لاعیذنه۔
(بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے بھی میرے ولی سے دشمنی رکھی، اس کو میں اپنے سے لڑائی لڑنے سے خبردار کرتا ہوں۔ میرے بندے نے میری طرف اس چیز سے زیادہ کسی چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کیا جو میں نے اس پر فرض کی۔ وہ نوافل کے ذریعے مسلسل میرا قرب ڈھونڈتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو چاہنے لگتا ہوں اور جب میں اس کو چاہنے لگتا ہوں اور دوست بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ وہ اگر مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو اس کو دیتا ہوں اور پناہ چاہتا ہے تو پناہ دیتا ہوں......ع

میں جو اس کا ہو گیا وہ ہو گیا میرے لیے

اس کا ہر عمل حق تعالیٰ کا عمل بن جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ولی وہ ہے جس کو دیکھنے سے خدا یاد آئے یعنی اس کی شخصیت میں ایمان وتقوی کی یکجائی ہو ”اَلَّذِیْنَ آمَنُواْ وَکَانُواْ یَتَّقُوْنَ“ جو ایمان لائے اور تقوی اختیار کیے۔ (یونس:۶۳)

عارف رومی فرماتے ہیں ۔

صحبت مرداں اگر یک ساعت است   بہتر از صد خلوت وصد طاعت ست

(مردان خدا کی ایک گھڑی کی صحبت وہم نشینی سیکڑوں خلوت واطاعت گزاری سے

کہیں بہتر ہے)

اولیاء اللہ ہیں سر تا بپا   نائب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ
جونہیں ملتی ریاضت سے وہ شے   اولیاء اللہ کی صحبت میں ہے
اولیاء اللہ کو جو پاگیا   وہ خدا و مصطفیٰ کو پاگیا
جس کا چہرہ عین وجہ اللہ ہے   جس کی ہستی نور الا اللہ ہے
اے خوشا وہ دل کہ صورت آشنا   جو ہو دنیا میں کسی درویش کا

صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے عن عبداللہ ابن عمرمن خلع یدا من طاعة لقی اللہ یوم القیامة لاحجة له و من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة ” حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ جس نے اپنا ہاتھ (امیر کی) اطاعت سے اٹھالیا وہ قیامت کے روز اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی اور جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔“ (مسلم، الامارۃ، باب الامر بلزوم الجماعۃ عند ظہور الفتن)

خوبی قسمت سے جس کسی کو پیر کامل مل جائے تو اس کے ہاتھ کو خدا کا ہاتھ جانے اور سمجھے اور بیعت کے بعد اپنے کو بالکل اس کے سپرد کردے اسی طرح جس طرح مردہ اپنے نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے (کالمیت بیدالغسال) مرید پر فرض ہے کہ وہ اپنا جان و مال اولاد سب پیر پر نثار کردے اور اس کے حکم سے بال برابر انکار نہ کرے اور دل میں اس بات کا پورا یقین رکھے کہ اگر پیر غلطی بھی کرے تو اس کی غلطی میں بھی مجھ کو فائدہ ہوگا، برخلاف اس کے کہ اپنی رائے اور مرضی سے سیدھے راستہ پر جائے۔ اس سلسلے میں ہمہ وقت حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعات یاد رکھے کیوں کہ جو مرید اپنی مراد وارادت کی راہ پر چلتا ہے وہ مراد کا مرید ہے نہ کہ پیر کا، مریدی دراصل پیر پرستی ہے، مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ فرماتے ہیں ۔

چوں کہ کردی ذات مرشد را قبول   ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

مرید بیعت ہونے کے بعد یہ امید نہ رکھے کہ پیر سب سے بڑا عبادت گزار، معصوم

عن الخطا اور تسبیح و مصلیٰ سے ہر وقت وابستہ ہو، وہ اپنی ظاہری آنکھوں سے پیر کے شب و روز کے اوقات نہ دیکھے بلکہ دل کی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش کرے اور ہر وقت اس خیال سے بچتا رہے کہ پیر کے کسی ظاہری عمل کو دیکھ کر شک پیدا ہوا اور گویا ابوجہل و ابولہب وغیرہ کی آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کے دیدار سے پناہ مانگتا رہے۔ اپنے پیر سے اپنے تمام حالات عرض کرتا رہے اور حاضر و غائب میں اس کی طرف متوجہ رہے۔

حاضر و ناظر مرید اس طرح جانے پیر کو
جس طرح احوال بندہ سے خدا آگاہ ہو

پیر کے مقبول کو مقبول، مردود کو مردود اور مخالف و موافق کو اپنا مخالف و موافق سمجھے اور پیر ہرات حضرت خواجہ عبداللہ انصاری قدس سرہ کے اس ارشاد کو حرز جاں بنالے:

''ہر کہ با پیر تو بد باشد و تو نیک، سگ از تو بہتر ست'' (جو کوئی تمہارے پیر کا بدخواہ و مخالف ہو اور تم اس کے خیر خواہ ہو تو جان لو کہ کتا تک تم سے بہتر ہے) کہ وہ اپنے مالک کے لیے کسی کی ترچھی نگاہ بھی برداشت نہیں کرتا۔ ارباب تصوف نے مریدی و پیری کے آداب، حقوق و فرائض اور طریقت کے ان باریک و اہم مسائل پر کتابیں اور رسائل لکھے ہیں۔ حضرت شاہ تراب علی قلندر قدس سرہ کی تین تصانیف اس سلسلے میں بڑی اہم ہیں، مطالب رشیدی، اسناد المشیخت، اور شرائط الوسائط۔ اول الذکر اور آخر الذکر کے اردو ترجمے بالترتیب حضرت مرشد برحق مولانا شاہ محمد مصطفیٰ حیدر قلندر قدس سرہ سجادہ نشین ہشتم خانقاہ کاظمیہ قلندریہ اور حضرت مولانا حافظ محمد مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ العالی نے فرمائے ہیں۔

مرید کو اپنے پیر کے ساتھ زیادہ سے زیادہ محبت رکھنا چاہیے، جتنی زیادہ محبت ہوگی اتنا ہی فائدہ ہوگا، کیوں کہ محبت رکھنے والے کا درجہ یقیناً ایسے مرید سے زیادہ ہے جو عبادت و ریاضت والا ہو اور پیر کی محبت کم ہو۔ پیر کے سامنے نوافل، تسبیحات اور اوراد و وظائف میں مشغول نہ ہوں کیوں کہ پیر کے مشاہدہ سے بڑھ کر کوئی شغل نہیں، حتیٰ الوسع پیر کی خدمت میں خالی ہاتھ نہ جائے۔ حضرت شاہ تراب علی قلندر قدس سرہ کے چند اشعار اس ضمن میں یاد آرہے ہیں۔

جو گدائی در پہ مرشد کے کرے وہ شاہ ہو
بندۂ درگاہ ہو تب صاحب درگاہ ہو
جس شخص کا دل مرشد و رہبر سے پھرا ہے
وہ حق سے پھرا اور پیمبر سے پھرا ہے
خوش آں دلے کہ دراں نیست غیر صورت پیر
خوش آں زباں کہ پر از داستان پیر بود

(وہ دل کتنا اچھا ہے جس میں پیر کی صورت کے علاوہ کوئی صورت نہ ہو اور وہ زبان کتنی اچھی ہے جس پر ہر وقت پیر کا چرچا و تذکرہ ہو۔)

مذکورہ بالا سطور کے بعد اب صاحب نغمات کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

گوش دل سے سن تو قول بوسعید	شیخ ہے اس راہ کی اول کلید
شیخ سے گمراہ کرے جو آدمی	در حقیقت وہ ہے شیطان قوی
شیخ ہے اپنے مریدوں میں یوں ہی	جس طرح سے اپنی امت میں نبی
شیخ کی صورت ہے ایسا آئینہ	جلوہ گر جس میں خدا و مصطفیٰ
جس کا کوئی مرشد و رہبر نہیں	اس کا رہبر نفس و شیطاں بالیقیں
گر ہے تیرے پاس علم موسوی	جستجو کر پھر بھی خضر وقت کی
صدق دل سے بے محابا اے پسر	امر و نہی شیخ کو تسلیم کر
اختلافی مسئلہ میں ہر گھڑی	پیروی واجب ہے اپنے شیخ کی
شیخ کی روحانیت کو ہر زماں	حاضر و ناظر سمجھ تو اے جواں

علاوہ ازیں حضرت ناظم موصوف نے سماع و وجد، شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت، تصوف کی فضیلت، فقیہان خشک اور صوفیان جاہل، علمائے سوء، شان علمائے بر حق، شرائط درویشی و شیخی، طالبانِ حق کے لیے پند و نصائح، اذکار و اشغال اور مناجات کے عناوین کے تحت بہت کچھ نظم فرما دیا ہے جو یقیناً طالبین و سالکین کے لیے لائق عمل و مشعل راہ ہے۔

اگر تفصیل کا خوف دامن گیر نہ ہوتا تو ضرورت اس بات کی تھی کہ ہر ہر بات کی تشریح و تفصیل اور توجیہ و تعبیر میں دفتر سیاہ کیا جاتا - آں جناب موصوف نے راقم السطور سے حکم فرمایا چنانچہ پاس خاطر اور دیرینہ تعلق نے اس امر پر مجبور کیا کہ مثنوی کی بابت اپنے نامۂ اعمال کی طرح چند اوراق سیاہ کر دیے جائیں - اُمید ہے کہ یہ مثنوی ارباب تصوف کے یہاں پذیرائی حاصل کرے گی اور مشعل راہ ثابت ہوگی -

مسعود انور علوی کاکوروی

۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

مطابق ۳ مئی ۲۰۰۴ء دوشنبہ

نوٹ: تقدیم میں مذکور آیات و احادیث کی تخریج حاشیہ نگار نے کی ہے - مصباحی

نغمات الاسرار
فی
مقامات الابرار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طائر[1] قدسی حقیقت آشنا   لحنِ داؤدی میں ہے نغمہ سرا
سازِ الہامی ہے جس کی ہر صدا   اور ندائے غیب ہے جس کی ندا
گفتگوئے حق ہے جس کی گفتگو   جس کا اوّل ہی سبق ہے وَحْدَہٗ[2]
نغمۂ جبریل ہے جس کی صدا   صورِ اسرافیل ہے جس کی نوا
جس کو سن کر روحِ انسانی تمام   روزِ اوّل سے ہے اب تک شاد کام
صاحب وجد و سماع ہیں سر بکف   بےخودی میں سن کے صوتِ لَا تَخَفْ[3]
ہوش میں آئے نہ پھر اہلِ جنوں   سن کے نغماتِ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْن[4]

حقیقتِ[1] اشیا کا بیان

سازِ ہستی پردۂ الہام ہے   نغمۂ تارِ نفس پیغام ہے
تار کیا ہے یار کی آواز ہے   جو نَفَخْتُ فِيْهِ[2] کا اک راز ہے
بے صدا و بے نوا و بے کلام   دے رہا ہے ذرّہ ذرّہ یہ پیام
پتے پتے سے یہی ہے گفتگو   اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوْ
سبزۂ روئے زمیں ہے ذکر میں   محوِ حیرت غنچہ و گل فکر میں
جس طرح درویشِ کامل صبح دم   وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ[3] میں گم
ہستی اشیا ہے بس ایسے ہی گم   پی کے صہبائے سَقَاهُمْ رَبُّهُمْ[4]

شرح[1] وَ فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ
وَمَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ[2]

کھول کر چشمِ حقیقت بے گماں   دیکھ ہر شے میں ظہورِ جلِّ شاں
کس گماں میں تو پڑا ہے بے خبر   حق تری صورت[3] میں خود ہے جلوہ گر
ڈھونڈتا پھرتا ہے تو اُس کو کہاں   جو تری ہستی[4] کے اندر ہے نہاں
چشمِ احول بیں سے پوشیدہ رہا   اے دریغا جلوۂ نورِ خدا
تیری خود بینی حجاب اُس نور کا   کاش تو خود سے نکل کر دیکھتا
بے خبر اک راز کی دنیا ہے تو   شانِ حق کی تجھ سے ہوتی ہے نمو
تیری رگ رگ میں تجلّی ہے نہاں   تو سراپا ہے نشانِ بے نشاں
تیری ہستی ہے ظہورِ حسنِ ذات   تو حقیقت میں ہے روحِ کائنات[5]
بے خبر پہچان اپنے آپ کو   نورِ قُدسی[6] جان اپنے آپ کو
تجھ میں شنوا اور بینا ہے وہی   شعر کے پردے میں گویا ہے وہی[7]
کھول کر چشمِ حقیقت با خدا   دیکھ اپنے میں اسے جلوہ نما[8]
نَحْنُ اَقْرَبُ[9] کا اشارہ ہے یہی   کُنْتُ کَنْزاً[10] کا کنایہ ہے یہی

وحدت[1] کا بیان

گوشِ دل سے سن موحّد کا کلام   عالمِ لاہوت ہے جس کا مقام[2]
گر ہے توحیدِ خدا تو بس یہی   کچھ نہیں ہے اور سب کچھ ہے وہی
احدیت کا نور ہے وحدت میں گم   اور وحدت پردۂ کثرت میں گم[3]
جلوہ گر خود آپ ہے جلوہ میں گم   پردہ اُس میں اور وہ پردہ میں گم
ہر زماں[4] اُس کی نئی پوشاک ہے   شرکتِ شرک و دوئی سے پاک ہے
آمد و شد[5] کا یہی اعلان ہے   ہر نفس اس کی نرالی شان ہے
کون[6] کہتا ہے کہ وہ پردہ نشیں   پردہ کے اندر ہے اور باہر نہیں
پردہ کے اندر بھی وہ پردہ نشیں   کس قدر بے پردہ ہے پوچھو نہیں

خود[7] ہی پردہ اور پردہ میں وہی   خود ہی جلوہ اور جلوہ میں وہی
از زمیں تا آسماں ہے اس کا نور   ذرّہ ذرّہ میں اسی کا ہے ظہور
جوش میں ہے اس قدر بحرِ وجود   موجِ دریا[8] سے ہے دریا کی نمود
آدمِ خاکی میں ہے اس کا ظہور   ریشے ریشے میں ہے ساری اس کا نور
نور[9] کے پردے میں پنہاں ہے وہی   اور اُس پردے سے عریاں ہے وہی
ہر طرف ہر سمت ہے جلوہ نما   بس اُسی کی ذات بے چون و چرا
حور و غِلماں جن و انساں اور پری   سب ہیں اُس کے نور کی جلوہ گری
گلشن و دشت و بیاباں کوہسار   طوطی و طاؤس و قمری[10] و ہزار[11]
ماہ و خورشید و نجومِ آسماں   مشتری زہرہ ثریّا کہکشاں
اسپ و فیل و مرغ و ماہی گاؤ خر   کثرتِ وحدت[12] سے آتے ہیں نظر
غور سے دیکھو تو کوئی بھی نہیں[13]   ما سوائے ذاتِ ربُّ العالمیں
از زمیں تا آسمانِ کبریا   بس خدا ہے بس خدا ہے بس خدا
عرش سے تا فرش ہے اس کا ظہور   جوشِ وحدت میں ہے موجِ بحرِ نور
معنیِ مسجود و مسجد[14] ہے وہی   احمد و محمود و حامد[15] ہے وہی
خود شہود و شاہد و مشہود[16] ہے   خود وجود و واجد و موجود[17] ہے
آپ[18] اپنی خود نمائی کے لیے   دونوں عالم میں خدائی کے لیے
خود حریمِ ناز سے باہر ہوا   آپ اپنے نور میں ظاہر ہوا
آپ اپنے نور پر شیدا ہوا   عاشق و معشوق کا غوغا ہوا
خود ہی اپنی ذات میں حامد ہوا   خود ہی محمود و محمد[19] ہو گیا

نورِ ظہورِ ذات کا بیان

ہر طرف ہر سمت ہے جلوہ نما   بس اسی کا نور بے چون و چرا
شوقِ اظہارِ خدائی ہے وہ نور   اور جوشِ خود نمائی ہے وہ نور
احدیت کے راز کا پردہ ہے نور   اور اس کی ذات کا جلوہ ہے نور

از زمیں تا آسمانِ پُر غرور　　نور ہی ہے نور ہی ہے نور نور[1]

نور ہی خود جلوہ گاہِ طور[2] ہے　　رَبِّ اَرِنِـــیْ نور سے معمور ہے

لَـنْ تَـرَانِـــیْ اک غرورِ نور ہے　　خَــرَّ مُـوْسٰـی میں سرورِ نور ہے

نور جوشِ سینۂ منصور ہے　　خود[3] اَنَا الْحَق میں وہی مستور ہے

خود اسی کا کھیل ہے دار و رسن　　حق ہی حق ہے نور خود باطل شکن

قُـمْ بِـاِذْنِـیْ[4] کا تماشا نور ہے　　شمس تبریزی کا پردہ[5] نور ہے

خود محیط ہر دو عالم ہے وہ نور　　آیتِ قطعی و محکم ہے وہ نور

نور ہی سے ہم ہیں ظاہر اور تم　　نور ہی میں ہم سبھی ہیں محو و گم

نور ہی سے ہیں زمین و آسماں　　نور سے ہژدہ ہزار عالم عیاں

نور ہی کے عشق کا ہے یہ ظہور　　عشق ہی کے نور کا ہے یہ غرور

بس یہی تخلیق کی بنیاد ہے　　دو جہاں جس کے سبب آباد ہے

کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیاً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ[1]

حاملِ رازِ خدائی عشق[2] ہے　　اور سرِّ مصطفائی عشق ہے

باعثِ تخلیقِ عالم عشق ہے　　پیکرِ آدم مجسّم عشق ہے

حضرتِ حق کی امانت[3] عشق ہے　　روحِ آدم کی حقیقت عشق ہے

عشق ہے اسرارِ حق کا راز داں　　عشق ہے مقصودِ حرفِ کُن فکاں

عشق ہے نورِ ظہورِ حسنِ ذات　　عشق ہے تکمیلِ روحِ کائنات

عشق[4] عینیت شہادت قربیت　　ذاتِ حق میں عین حق کی محویت

عشق کے قطرہ میں ہے دریا نہاں　　عشق کے ذرّہ میں ہے صحرا نہاں

ذرّہ ذرّہ عشق میں سرشار ہے　　جملہ عالم عشق کا اظہار ہے

عاشقانِ حق کی دنیا عشق ہے　　عشق کے بندوں کا مولیٰ عشق ہے

آدمی کی آدمیّت عشق ہے　　شادی و غم کی حقیقت عشق ہے

ہادیِ راہِ شریعت عشق ہے　　مرشد و پیرِ طریقت عشق ہے

عشق جذب و شوق کی بنیاد ہے　　عشق سے سیر و سلوک آباد ہے

عشق کے مکتب کا ملّا عشق ہے　　درسِ ابجد کا خلاصہ عشق ہے

عشق سے بڑھ کر نہیں کوئی عظیم　　عشق ہے بر حق صراطِ مستقیم

در حقیقت عشق ہے میروں کا میر　　بے محابا عشق ہے پیروں کا پیر

عشق ہو جاتا ہے جب بڑھ کر جواں　　کفر بن جاتا ہے ایماں بے گماں[5]

عشق کی گفتار ہے گفتارِ حق　　عشق کی رفتار ہے رفتارِ حق

عاشقانِ حق کا یہ فرمان ہے　　جس پہ ہر پیر و جواں قربان ہے

عشق ہی خود دین اور ایمان ہے　　عشق ہی خود مصحفِ قرآن ہے

عشق ہی مسجد ہے اور عشق ہی اذاں　　عشق ہی سجدہ سجودِ پنجگاں

عشق مستیِ فنا فی اللہ ہے　　عشق ہستیِ بقا باللہ ہے

عشق ہے نورِ ظہورِ کبریا　　عشق ہے وجہ نمودِ مصطفیٰ

بالیقیں جو صورتِ رحمٰن ہے　　بے محابا جلوۂ سبحان ہے

نعتِ حقیقت محمدی

اللہ اللہ جلوۂ ذاتِ خدا　　مظہرِ نورِ ظہورِ کبریا

کون ہے آئینۂ ذاتِ خدا　　جز محمد ﷺ مصطفیٰ و مجتبیٰ

جو سراپا پیکرِ انوار ہے　　جس کی ہستی مخزنِ اسرار ہے

جس کے آگے ہیں ملائک با ادب　　جو ہے خود تخلیقِ آدم کا سبب

جس کی ہستی نورِ ربُّ العالمیں　　جس کی صورت رحمۃٌ لّلعٰلمیں

کون ہے جز رحمۃٌ لّلعٰلمیں　　قبلہ گاہِ[1] اوّلین و آخریں

فخرِ موجودات ہے کس کا وجود　　کون ہے فرماں روائے ہست و بود

صاحبِ لولاک[2] ہے کس کا وجود　　صورتِ آدم میں ہے کس کی نمود

کس کی ہستی ہے شفیعُ الْمُذْنِبِیں　　کون ہے محبوبِ ربُّ الْعٰلَمِیں

حامد و محمود و احمد کون ہے　　ماسوائے حق محمد ﷺ کون ہے

خود محمد ﷺ حامد و محمود ہے   خود محمد ﷺ ساجد و مسجود[3] ہے
خود محمد ﷺ صورتِ[4] رحمٰن ہے   خود محمد ﷺ جلوۂ سبحان ہے
خود محمد ﷺ مصحف[5] قرآن ہے   خود محمد ﷺ حجت[6] و برہان ہے
خود محمد ﷺ کاشفِ اسرار ہے   خود محمد ﷺ پیکرِ انوار ہے
خود محمد ﷺ سرِّ سرُّ اللہ ہے   خود محمد ﷺ روحِ رُوح اللہ[7] ہے
گو بظاہر ہے سراپا عبدہٗ   پر حقیقت میں ہے نور وحدہٗ
اوّل و آخر[8] محمد ﷺ مصطفیٰ   باطن و ظاہر محمد ﷺ مصطفیٰ
کلمۂ توحید سے ثابت ہوا   خود محمد ﷺ ہے ظہور کبریا
کلمۂ توحید[9] ہے شرکِ خفی   بر خلاف اس کے اگر تشریح کی
نیست معبودے بجز ذاتِ خدا   نیست مقصودے جز اُو در دو سرا
نیست مطلوبے بجز دیدارِ او   نیست محبوبے بجز آں ذاتِ ھُوْ
نیست موجودے بجز ہستی او   نورِ او در عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ
بے گماں وہ نور ہے سر تا بپا   عین ظاہر میں رسولِ کبریا
یعنی ذاتِ پاک کا بھیجا ہوا   غیب سے سوے شہادت برملا
جس کو بھیجا اس[10] نے وہ[11] خود آگیا   جلوۂ ہستی میں بے چون و چرا
کس کو بھیجا اس نے یہ سوچو ذرا   ما سوائے ذات جب کوئی نہ تھا[12]
کس کو بھیجا اس نے مخلوقات میں   کون ظاہر ہے یہ موجودات میں
اوّل و آخر اسی کی ذات ہے   باطن و ظاہر اسی کی ذات ہے
ذاتِ واجب آپ ہے جلوہ نما   نور کے پردہ میں بے چون و چرا
بالیقیں قَدۡ جَاءَکُمۡ نورٌ مُبِیں   جلوہ گاہِ اوّلین و آخریں
آگیا اللہ کی جانب سے نور   جس سے روشن ہوگئی بزمِ ظہور
مصطفیٰ ﷺ کی شکل میں سر تا بپا   ہو گیا نورِ خدا جلوہ نما
بالیقیں وہ نور ہے نورِ مبیں   ظاہر و باطن میں ختم المرسلیں

شکل وصورت سے منزّہ ہے جو ذات   خود وہی ظاہر ہے از نورِ صفات
عالمِ تنزیہہ[13] سے نورِ خدا   شانِ تشبیہی میں ہے جلوہ نما
شکلِ احمد میں ہے مُتَشَکِّل احد   ہر تجلی میں ہے مُتَجَلّی صمد[14]
مشرک ست آنکہ نہ خواند ایں سبق   در وجودِ احمدی موجود حق[15]

مثال

جیسے قطرہ میں ہے دریا کی نمود   جیسے ذرّہ میں ہے صحرا کا وجود
روشنائی جس طرح سے حرف میں   آبِ شیریں جس طرح سے برف میں
یوں محمد ﷺ میں خدا ہے جلوہ گر   جیسے آئینہ میں آئینہ نگر
بےحلول و اِتّحاد و اِتّصال   آئینہ میں آئینہ بیں کا جمال
پھول میں خوشبو نہاں ہے جس طرح   جسم کے پردہ میں جاں ہے جس طرح
چشمِ بینا میں بصارت جس طرح   گوشِ شنوا میں سماعت جس طرح
یوں ہی احمد میں احد ہے خود نما   بے گماں بے کیف بے چون و چرا
بے حلول و اتحاد و اتصال   حاصل ہے اس کو وصالِ ذوالجلال
لاشک اللہ بے شک اللہ یاد کن   سینہ را از عشقِ او آباد کن

فضائل آداب نبوی

صدق دل سے سن کلامِ بو سعید   تا کہ فضل باری ہو تجھ پر مزید
بے عنایاتِ خدا و مصطفیٰ   زاہدِ صد سالہ مردودِ خدا
جس کے دل میں ہو نہ عشقِ احمدی   وہ ہے مردودِ خلائق اور شقی
جو محمد ﷺ مصطفیٰ کا ہے ادب   بے شک و شبہ وہی آدابِ رب[1]
خود کلام اللہ میں ہے یوں رقم   بےادب لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ[2]
تارکِ آداب بے چون و چرا   صورتِ ابلیس مغضوبِ خدا
جو محمد ﷺ مصطفیٰ سے پھر گیا   در حقیقت وہ خدا سے پھر گیا
منکر تعظیمِ حضرت جو ہوا   طوقِ لعنت اس کی گردن میں پڑا

نورِ حق کی عزت و تکریم کر — عبد خاص الخاص کی تعظیم کر
صدق دل کے ساتھ پھر بعد سجود — بھیج اُس ذاتِ مقدس پر درود
ہر نفس اس کا رہے بس التزام — یعنی محبوبِ خدا پر ہو سلام
عارفِ کامل کا ایماں ہے یہی — مرشدِ برحق کا فرماں ہے یہی

اطاعت و پیرویِ آنحضرت ﷺ

جو کہ بندہ[1] ہے رسول اللہ کا — خاص بندہ ہے وہی اللہ کا
جو ہے جان و مال سے ان پر فدا[2] — بس وہی غوث و قطب ہے باخدا
زندگی بے شک ہے اس کی زندگی — جو کرے پابندی حکمِ نبی
جو عمل سے خالی ہو وہ سر بسر — فاسق و فاجر ہے بے خوف و خطر
اپنی خواہش[3] کی کرے جو بندگی — در حقیقت وہ ہے مردود و شقی
وہ مریدِ صادق ہے اے خوش صفات — جو کرے پابندی صوم و صلوٰۃ
فرض و واجب کو جو چھوڑے برملا — عین گمراہی میں وہ ہے مبتلا
دیدہ و دانستہ ترکِ بندگی — شرع میں یہ ہے علامت کفر کی[4]
یک سرِ مو جو شریعت سے ہٹا — مردِ گم رہ ہے وہ مغضوبِ خدا
جو شریعت کے مقابل عقل کی — پیروی کرتا ہے وہ ہے بدعتی[5]
جو ہو گستاخِ رسولِ کبریا — عین کافر ہے وہ مردودِ خدا
اُس کی باتوں میں کبھی ہرگز نہ آ — گو دکھائے لاکھ زہد و اتّقا
روحِ مذہب جانِ ایمان و یقیں — اتباع و عشقِ ختم المرسلیں
جملہ عالم پر بلا چون و چرا — واجب و لازم ہے شرعِ مصطفیٰ
جو نبی کے حکم سے پھِر جائے گا — گمرہی میں وہ فقط کھو جائے گا
صدق دل سے اے سعیدِ بے نوا — سنّتِ نبوی پہ قائم رہ سدا
سنّتِ نبوی[6] کو جو زندہ کرے — سو شہیدوں کا ثواب اس کو ملے
اہل سنت و الجماعت ہے وہی — جو کرے پابندیِ حکمِ نبی

صورتِ مجنوں بدل کر اپنا بھیس — عاشق نادیدہ ہو مثلِ اویس

عظمت و رفعتِ آنحضرت ﷺ

حکم ربی ہے کہ مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡل — غور سے اس کو سمجھ اے بو الفضول[1]
طاعتِ حق ہے اِطاعت آپ کی — نورِ قُدسی[2] ہے حقیقت آپ کی
سرّ توحید ہے رسالت آپ کی — رمز احدیت ہے وحدت آپ کی
حضرتِ جبریل جیسے باوقار — آپ کی رِفعت کے آگے شرمسار
آپ کی رِفعت ہے مَا زَاغَ الۡبَصَر[3] — قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی[4] سربسر
آپ کی عظمت عیاں بے قال و قیل — آپ کی رفعت مسلّم بے دلیل
آپ ہیں بے شبہ صادق اور امین — آپ کا اعجاز قرآنِ مبین
آپ ہیں دانائے کل مولائے کل — آپ ہادیِ سُبل ختم الرسل
خلق میں بے مثل و لاثانی ہیں آپ — مظہرِ حق ظلِّ سبحانی ہیں آپ
آپ کی عظمت کے آگے سر بسر — قوتِ جبریل بھی بے بال و پر
قوتِ بازوے جبریلِ امیں — ہو گئی شل جا کے سدرہ کے قریں
رک گئے سدرہ پہ جب وہ ناگہاں — مصطفیٰ نے ان سے فرمایا کہ ہاں!
کیوں رکے ہو آگے آؤ اے اخی — ساتھ مت چھوڑو ہمارا تم ابھی
کہہ دیا جبریل نے بے ساختہ — گم ہوئی جاتی ہے عقلِ نارسا
یا رسول اب یہ اخی مجبور ہے — اس کے آگے بس حجابِ نور ہے
یک سرِ مو گر بڑھا یا مصطفیٰ — سوخت کر دے گی تجلّی باخدا
آپ کو لازم ہے تنہا جایئے — لذّتِ قربِ الٰہی پایئے
ماسوائے رَحۡمَۃٌ لِّلۡعٰلَمِیۡں — غیر کا آگے گزر ممکن نہیں
نور کو نورِ مجرّد کے سوا — کون دیکھے گا حقیقت میں بھلا
کون دیکھے گا بھلا جز مصطفیٰ — بالمشافہ جلوۂ ذاتِ خدا
چشمِ سر سے اور دیدارِ خدا — بے محابا آپ کا ہے معجزا

آپ کی بصر و بصیرت نور ہے   اور وہ نورِ حقیقت نور ہے
نور سے نورِ حقیقت کی ہے دید   اس کے آگے ختم ہے گفت و شنید
کون کر سکتا ہے سرِّ حق بیاں   ماورائے فہم ہے یہ داستاں
گفتگو اِس میں عبث ہے سر بسر   بس کہ خاموش اے سعید بے خبر

تواضع باوجودِ رفعت و عظمتِ آنحضرت ﷺ

اللہ اللہ عظمتِ شاہِ رُسُل   فہمِ مخلوقات سے بالا ہے کُل
جلوۂ نورِ خدا ہے ان کی ذات   اور ان کے نور سے کل کائنات
آسمان و انجم و خورشید و ماہ   با خدا سب ہیں انہیں کی جلوہ گاہ
باوجود اس کے نیاز بندگی   اللہ اللہ انکسار و عاجزی
قولِ اِنِّــــــیْ عَبْــــدُہٗ، گوید نبی   لیک[1] سبحانی نہ گوید آں صفی
کس قدر شانِ تواضع ہے بلند   جو محمد ﷺ مصطفٰی کو ہے پسند
چوں کہ شانِ عجز میں ہے وہ کمال   جس کی دنیا میں نہیں کوئی مثال
اور وہ بھی مصطفٰی کی شانِ عجز   جس پہ قرباں ہے سراپا جانِ عجز
اس لیے قرآن کا اعلان ہے   اور خدائے پاک کا فرمان ہے
یا محمد مصطفٰی ﷺ ہر چند تم   صاف فرمادو کہ بَشَــرٌ مِّثْــلُــکُمْ[2]
اس کا یہ مطلب نہیں ہرگز کبھی   تو بھی یہ کہنے لگے مرد شقی!
ہم بشر ہیں اور وہ بھی تھے بشر   مثل ہم جیسے تھے وہ بھی سر بسر
بے ادب اُس سے مجالِ ہمسری   جس کو بخشی ہے خدا نے برتری
اُس کی ہستی کو تو اِس طرح سے جان   جس طرح سے غیر مخلوق ہے قرآن
یا تو اِس طرح سمجھ اے بے بصر   جس طرح جبریل ہم شکل بشر
حضرتِ کلبی کی صورت میں نہاں   لے کے پیغامِ خدائے دو جہاں
ایک دن یوں حاضرِ خدمت ہوئے   دے کہ وہ پیغام جب رخصت ہوئے
مصطفٰی نے تب کہا اصحاب سے   تم نے پہچانا انہیں وہ کون تھے

کہہ دیا اصحاب نے بے ساختہ   حضرت کلبی تھے وہ یا مصطفٰی
تب نبی نے مسکرا کر یہ کہا   حضرتِ جبریل تھے وہ باخدا
صورتِ کلبی تھے جبریلِ امیں   مثلِ جبریلِ امیں کلبی نہیں
یوں ہی وہ ہستی ہے نورِ کبریا   بشریت اس کی، بشر سے ہے جدا

شانِ بشریت کا بیان

ہے بشر لیکن مبشر اور بشیر   مثلِ قرآں بے مثال و بے نظیر
وہ بشر ہے اس طرح سے اے اخی   اژدہا جیسے عصائے موسوی
وہ[1] بشر عینِ تجلّی ہے یونہی   حضرتِ جبریل جیسے آدمی
گر چہ ظاہر میں ہیں کلبی بالیقیں   پر حقیقت میں تو وہ کلبی نہیں
وہ بشر ایسا بشر ہے بالیقیں   جس کے آگے سر بہ خم روح الامیں
وہ بشر ہے با خدا بے شک بشر   پر حقیقت میں نہیں مثلِ دگر
اس کا کوئی مثل اور ثانی نہیں   وہ سراپا نورِ ربُّ العالمیں
گر چہ سر تا پا ہے مخلوقِ خدا   پر حقیقت میں ہے نورِ کبریا
حامل ہر دو جہت اُس کا وجود   مجمع البحرین ہے جس کی نمود
اک جہت اس کی بشر ہے با خدا   دوسری اس کی جہت نورِ خدا
گر بشر کی شکل میں آتا نہ وہ   ابنِ عبد اللہ بن جاتا نہ وہ
کون پھر نورِ خدا کو دیکھتا   کون اسرارِ حقیقت جانتا
کون بے دیکھے خدا کو مانتا   کون اس کی ذات کو پہچانتا
دیکھنے کے بعد الفت ہوتی ہے   اور الفت سے محبت ہوتی ہے
بے محبت معرفت ممکن نہیں   مقصدِ تخلیق ہے جو بالیقیں
اس لیے وہ نور بے چون و چرا   صورتِ بشری میں ظاہر ہو گیا

برزخِ کبریٰ[1] کا بیان

صورتِ احمد ﷺ اگر چہ ہے بشر   معنیٔ احمد ﷺ فَلاَ ھٰــذَا بَشَــرٌ

حضرتِ آدم اگر ہیں بو البشر — تو محمد مصطفیٰ ﷺ فوق[3] البشر
خلق میں اوّل ہیں مخلوقِ خدا — امر میں اوّل ہیں نورِ کبریا
واجب و امکاں کے مابین اے اخی — برزخِ کبریٰ ہیں سر تا پا نبی
آپ ہیں وہ آئینہ سر تا بپا — جلوہ گر ہے جس میں نورِ کبریا
مَنْ رَاٰنِی[4] سے یہ عقدہ حل ہوا — آپ ہیں آئینۂ ذاتِ خدا
آئینہ کیا ہے تجلیِ خدا — جس میں متجلی ہے نورِ کبریا
نور سے آئینہ یوں معمور ہے — گویا[5] آئینہ ہی عینِ نور ہے
پردۂ امکاں میں بے چون و چرا — ذاتِ واجب آپ ہے جلوہ نما[6]

آنحضرت ﷺ پر علوم غیبیہ کے انکشاف کا بیان

عارف کامل کا ایماں ہے یہی — مرشدِ برحق کا فرماں ہے یہی
عالم الغیب ہے وہی ذاتِ خدا — کاشفِ اسرار نورِ مصطفیٰ
جس پہ روشن ہیں امورِ غیب سب — لوح و کرسی و قلم لاریب سب
عقلِ اوّل غیب دان و غیب بیں — شہرِ[1] علم اوّلین و آخریں
وہ نبی حکمِ خدا سے سر بسر — غیب کے اسرار سے ہے باخبر
جس قدر[2] چاہا خدائے پاک نے — اُس قدر واقف ہوا وہ غیب سے
جس قدر[3] چاہا رسول اللہ نے — اُس قدر بخشا اُسے اللہ نے
جو[4] ہمارے فہم کے قابل نہ تھا — اُس کو ہم سے اُس نے پوشیدہ رکھا
اس کا یہ مطلب نہیں ہرگز کبھی — رازِ مخفی سے تھا ناواقف نبی
حاملِ وحی رحمۃٌ لّلعٰلمیں — اپنی خواہش سے کبھی کہتا نہیں[5]
جو خدا کا حکم ہوتا ہے وہی — اپنی امت کو بتاتا ہے نبی
خود نبی کا ہے یہی معنی پسر — دیکھ ’’مصباح اللغات‘‘[6] اے بے خبر
اللہ اللہ کیا نرالا معنی ہے — غیب کی باتیں بتانے والا ہے
وہ نبی ہے شاہدِ غیب و شہود — مخبر صادق امام ہست و بود

اس کی ہر اک بات ہے وحیِ خدا — اس کی ہر مرضی ہے مرضیِ خدا
ذاتِ غیب الغیب کا مظہر ہے وہ — دو جہاں کا حاصل[7] و مصدر[8] ہے وہ
اس حقیقت[9] کو سمجھ سر تا بپا — مصطفیٰ ﷺ مَظہر ہیں مُظہِر ہے خدا
جس نے دیکھا مصطفیٰ کو باخدا — اس نے دیکھا حق کو بے چون و چرا
مَن رآنی[9] سے یہی عقدہ کھلا — حق کی صورت ہے وجود مصطفیٰ
پردۂ مخلوق میں سرتاپا — سب سے اعلیٰ ہیں وہی بعد از خدا
اہلِ سنت کا عقیدہ ہے یہی — ماسوا معبود سب کچھ ہیں وہی
صرف احمد اور احد کے درمیاں — میم[11] کا اک پردہ حائل ہے میاں
گر الوہیت میں یکتا ہے خدا — تو عبودیت میں یکتا مصطفیٰ ﷺ
مرتبہ کیا سمجھے گا اس کا کوئی — جس کی امت کے ولی گویا نبی[12]
اس خدائے پاک و برتر کے سوا — کون کر سکتا ہے مدح مصطفیٰ ﷺ
مصطفیٰ ﷺ کو بس خدا جانے فقط[13] — اور خدا کو مصطفیٰ ﷺ جانے فقط[14]
فہم اور ادراک سے ہے ماوریٰ — مصطفیٰ کی ذات بے چون و چرا
بس کہ خاموش اے سعید بے نوا — فہم سے بالا ہے ذات مصطفیٰ

شانِ اولیاء اللہ

ہو چکے ہیں ذاتِ حق میں جو فنا[1] — خود بقائے حق سے ہے ان کی بقا[2]
کون کہتا ہے خدا سے ہیں جدا — انبیا و اولیا و اصفیا
مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ[3] را ببیں — ہم یَدُاللہ فَوْقَ اَیْدِیْھِم[4] چنیں
چونکہ مردِ حق فنا فی اللہ شد — رفت بشریت بقا باللہ شد[5]
قطرہ دریا سے ملا دریا ہوا — بندہ مولیٰ سے ملا مولیٰ ہوا
جب قلم[6] تختی میں قلمی کا لگا — بے خطر تختی سے قلمی ہو گیا
انبیا سے اولیا تک اے اخی — بس قلم لگتی چلی آئی یونہی
دستِ بیعت اور نسبت اے پسر — صورت و شکلِ قلم ہے سر بسر

انبیا و اولیا سر تا بپا | نفس کی خواہش سے ہوتے ہیں جدا

نسبت و بیعت کی مثال

جس طرح بجلی کے اک کھمبے سے تار | مل کے ہو جاتا ہے بجلی میں شمار
یونہی نسبت اولیاے حق سے جوڑ | عالمِ وہم و گماں سے منھ کو موڑ
اولیا کھمبے کی صورت ہیں سبھی | اور مثالِ پاور ہاؤس ہیں نبی
جس میں بجلی کی طرح سر تا بپا | جاری و ساری ہے نورِ مصطفیٰ
مصطفیٰ نورِ ظہورِ کبریا | روشن ہیں جس کے سبب ارض و سما
بلب کی صورت ہے قلبِ با صفا | اور نسبت ہے کنکشن حق نما
بے کنکشن روشنی ممکن نہیں | بلب چاہے جس قدر بھی ہو حسیں
نسبتِ مرشد ہے شرطِ اوّلیں | بعدہٗ شرطِ دگر، کامل یقیں
جو اگر چاہے کہ روشن ہو ضمیر | تو ادب سے تھام پہلے دستِ پیر
تاکہ روشن ہو ترا سینہ تمام | نورِ حق سے صورتِ بیت الحرام
تاکہ آ جائے کرنٹ تجھ میں وہی | بلب کی صورت ہو حالت قلب کی
جس سے کفر و شرک کی تاریکیاں | دور ہوں دنیاے ہستی سے میاں

اولیا کی عظمت کا بیان

اولیاء اللہ ہیں سر تا بپا | نائب[1] حضرت محمد ﷺ مصطفیٰ
جو نہیں ملتی ریاضت سے وہ شے | اولیاء اللہ کی صحبت میں ہے
اولیاء اللہ کو جو پا گیا | وہ خدا و مصطفیٰ کو پا گیا
جس[2] نے بھی دیکھا ولی اللہ کو | اُس نے دیکھا بالیقیں اللہ کو
اے خوشا وہ دل کہ صورت آشنا | جو ہو دنیا میں کسی درویش کا
کون ہے درویش، درویش خدا | حق نگر، حق بین و حق داں، حق نما
جو خدا کی ذات میں دیوانہ ہے | اپنی ہستی سے بھی جو بیگانہ ہے
جو محقق عارفِ باللہ ہے | بے شک و شبہ فنا فی اللہ ہے

جو حقیقت میں قلندر ہے جناب | معرفت کا اک سمندر ہے جناب
پردۂ الہام ہے جس کا پیام | عالمِ لاہوت ہے جس کا مقام
جس کا چہرہ عین وجــــہُ اللہ ہے | جس کی ہستی نورِ الا اللہ ہے
جس کی صحبت میں گنہگار و شقی | آ کے ہو جاتے ہیں ابدال و ولی

آدابِ شیخ کامل

گوشِ دل سے سن تو قولِ بوسعید | شیخ ہے اِس راہ کی اوّل کلید
یاد رکھ اس بات کو اے جانِ من | شیخ ہے دانائے علمِ من لدن
شیخ سے گمراہ کرے جو آدمی | در حقیقت وہ ہے شیطانِ غوی
بارگاہِ مرشدی کو میری جان | ہر کمی اور نقص سے تو پاک جان
یہ ہے وادیِ مقدس اوّلیں | شرط ہے اس میں ارادت بالیقیں
بے ارادت شیخِ کامل سے کوئی | فیض پاسکتا نہیں ہر گز کبھی
بشنو اے غافل تو قولِ حق پرست | شیخ من خس، اعتقادِ من بس ست[1]
شیخِ کامل کی توجہ کے بغیر | سالکانِ حق کی نا ممکن ہے سیر
شیخ ہے اپنے مریدوں میں یونہی | جس طرح سے اپنی امت میں نبی[2]
در حقیقت وہ ہے مقبولِ خدا | جو دل و جاں سے ہو بندہ[3] شیخ کا
شیخ کی صورت ہے ایسا آئینہ | جلوہ گر جس میں خدا و مصطفیٰ
شیخ کی صحبت میں اک لمحہ سعید | جو بھی بیٹھے وہ ہو مثلِ بایزید
اے گرفتارِ مجاز اے بے حیا | چھوڑ کر بغض و حسد، کبر و ریا
جا کسی درویش کامل کے حضور | خاک پہ رکھ دے جبینِ پُر غرور
پوچھ پھر اُس مردِ دانا سے یہ راز | کس طرح ہوتی ہے مستوں کی نماز
جس میں غیر اللہ کا خطرہ نہیں | جس میں اپنی ہستی کا پردہ نہیں
جس میں فاعل ہے تجلیِ خدا | بندہ کی صورت میں بے چون و چرا
جس میں بندہ آپ فانی ہوتا ہے | خود خدائے پاک باقی ہوتا ہے[4]

طالب صادق کے لیے ضرورت شیخ اورآداب بارگاہ شیخ کا بیان

شرع و دیں بے پیر راہِ پُر خطر   الحذر اے مردِ ناداں الحذر
جس[1] کا کوئی مرشد و رہبر نہیں   اس کا رہبر نفس و شیطاں بالیقیں
گر[2] ہے تیرے پاس علم موسوی   جستجو کر پھر بھی خضر وقت کی
اس حقیقت کو سمجھ اے بے یقیں   خضر سے خالی نہیں کوئی زمیں
تو سمجھتا ہے جسے عام آدمی   ممکن ہے کہ خضر دوراں ہو وہی
اس لیے تو یاد رکھ اس بات کو   فوقیت ہے نفی پر اثبات کو[3]
تونے جو سمجھا ہے تیرا ہے گماں   اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ[4] راجواں
یاد رکھ اس بات کو اے مردِ ضال   آیتِ محکم نہیں تیرا خیال[5]
بد گمانی اور تکبر بے گماں   قاطع راہِ طریقت ہے میاں
جس کسی درویش کو دیکھ اے اخی   یہ سمجھ شبلی دوراں ہے یہی[6]
واصلِ عینِ شریعت اس کو جان   مرشد و پیرِ طریقت اس کو مان
اس کی ہر اک بات کو تسلیم کر   خلق کی بیجا ملامت سے نہ ڈر
اعتراض و شک و انکار و کلام   شیخ کی صحبت میں ہے مطلق حرام
دل کی کشتی کو شکستہ جو کرے   طفلِ نفسانی کو مردہ جو کرے
فی سبیلِ اللہ خضرے رہبرے[7]   دین کی دیوار مستحکم کرے
دیکھتا رہ تو بہ تسلیم و رضا   شیخ فاعل ہے بہ الہامِ خدا
گو سمجھ میں تیرے آئے یا نہ آئے   تجھ پہ لازم ہے کہ تو ایمان لائے
اس کی جو بھی بات سن اے بے خبر   رد اور انکار میں جلدی نہ کر[8]
اور نہ ہی تقلید میں جلدی دکھا   بلکہ ساکت رہ کہ **مَنۡ سَکَتَ نجا**[9]
جب تلک کہ حکم مرشد کا نہ پا   اتباعِ حال سے خود کو بچا
جس سے وہ روکے تو رک جا باخدا   جس طرف وہ حکم فرمائے تو جا
یہ اشارہ یاد رکھ ہر لحظہ تو   **مَا نَهَاكُمۡ عَنۡهُ** اے دل **فَانۡتَهُوا**[10]

صدقِ دل سے بے محابا اے پسر   امر و نہیِ شیخ کو تسلیم کر
اختلافی[11] مسئلہ میں ہر گھڑی   پیروی واجب ہے اپنے شیخ کی
مبتدی و معتقد پر ہر زماں   اتباعِ شیخ ہے واجب میاں
منتہی و صاحبِ حال و نظر   اس سے مستثنیٰ ہیں[12] بے خوف وخطر
کیست کافر[13] منکر از فرمانِ شیخ   کیست مرتد[14] مرتد ازعرفانِ شیخ
مرشدِ برحق سے جو ہے بدگماں   وہ ہے مردودِ طریقت بے گماں
بدگمانی اور حضورِ شیخِ دیں   جس کے دل میں ہو،مرید ہرگز نہیں[15]
صحبتِ مرشد میں بے چون و چرا   بد گمانی سے بچ اے مردِ خدا
تا کہ حاصل ہو تجھے فضل خدا   بارگاہِ شیخ سے بے انتہا
شیخ ہے وہ آلۂ برحق میاں   جس میں فاعل ہے خداوندِ جہاں
خود سے فانی ہے وہ یوں سرتا بپا   حق ہی حق ظاہر ہے اس میں باخدا
شیخ کی روحانیت کو ہر زماں   حاضر و ناظر سمجھ تو اے جواں
جس طرح سے روح کی روحانیت   رکھتی ہے اعضا سے اپنے قربیت
دور ونزدیک اس طرح سے شیخِ دیں   ہر مرید با صفا سے ہے قریں
دستِ شیخ از غائباں کوتاہ نیست   دستِ او[16] جز قبضۂ اللہ نیست
برزخِ شیخ ہر گھڑی رکھ درمیاں   تا کہ شجرِ طور ہو تیری زباں
شیخ ہے وہ آئینہ سر تا بپا   جلوہ گر ہے جس میں ذاتِ کبریا
شیخ کا مقبول مقبولِ خدا   شیخ کا مردود مردودِ خدا
جو تصور میں رہے گا شیخ کے   فیض پائے گا وہ اس کی ذات سے
اے پسر اس راہ میں بس اوّلیں   شرط ہے توحیدِ مطلب بالیقیں
یہ سمجھ جو بھی عطا ہوگا مجھے   وہ عطا ہوگا ہمارے شیخ سے
غوثِ صمدانی سراپا شیخ ہے   قطب ربّانی سراپا شیخ ہے
ظلِّ سبحانی سراپا شیخ ہے   نورِ ربّانی سراپا شیخ ہے

سب سے یکتا بے مثال و بے نظیر | پیر ہے ایسا کہ ہے پیروں کا پیر
گرچہ عالم میں بہت سے ہیں ولی | پر نہیں ہے شیخ سا کامل کوئی[17]
گر کسی سے فیض پائے تو کبھی | تو سمجھ اس کو کرامت شیخ کی
تیری نظروں میں نہ آئے کوئی بھی | عین معراجِ ارادت ہے یہی
صدقِ دل سے بس عقیدہ رکھ یہی | شیخ سے بڑھ کر نہیں کوئی ولی
اس کا یہ مطلب نہیں اے بے خبر | دوسرے ولیوں کا تو انکار کر
یاد رکھ اس بات کو تو اے جواں | اولیا سے پُر ہے یہ سارا جہاں
جس[18] کسی کو دیکھ اپنا شیخ جان | غیریت کو تو مٹا دے میری جان
غیریت اس راہ میں مردود ہے | عینیت ہی اصل اور مقصود ہے
تو کہ غفلت میں پڑا ہے بے خبر | جادہ و منزل سے کوسوں دور تر
جا کے اربابِ تصوف کے قریں | لے سبق علم الیقیں کا اوّلیں
بعدہٗ عین الیقیں را ہم ببیں | تا ترا حاصل بود حق الیقیں[19]
معرفت حق الیقیں کا نام ہے | جو یقیناً مقصدِ اسلام ہے

سالکین راہِ طریقت کے مابین اختلاف کا بیان[1]

جس کسی درویش سے ہو اختلاف | اُس کو بھی افضل سمجھ بے شین و کاف
جس جہت سے وہ ہے تجھ سے مختلف | اُس جہت سے حق ہے اُس پہ منکشف
اعتبارات و جہات اُس کے سمجھ | اصطلاحات و لغات اُس کے سمجھ
عین ممکن ہے کہ وہ مغلوب ہو | سالک اپنی ذات میں مجذوب ہو
صاحب دل جو کہ ہو مغلوبِ حال | وہ ہے مرفوع القلم بے قیل و قال
بیخودوں کو شرع کی تکلیف سے | دور رکھا ہے خدائے پاک نے

سماع و وجد کا بیان

آلۂ لہو و لعب مزمار و نے | شرع میں ہر وجہِ لہو ممنوع ہے[1]
جملہ آلاتِ لعب بالاہتمام | لہو کے مقصد سے ہیں بے شک حرام

لہو کی علت[2] ہے حرمت کا سبب | لہو گر مفقود ہو جائز ہیں سب
اصلِ اشیا میں اباحت[3] ہے جناب | فہم کن وَاللهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب
دہل[4] و طنبور[5] ہو کہ مزمار[6] و رباب[7] | نیک مقصد اور غرض سے سب صواب
بے محابا کل مشائخ اے اخی | تہمتِ لہو و لعب سے ہیں بری
میلِ خاطر حق کی جانب ہو اگر | مستحب اُس کے لیے ہے بے خطر
گر طبیعت شر کی جانب ہو تمام | اُس کی خاطر نغمہ ہے بے شک حرام
خیر و شر دونوں طرف ہو میل اگر | اُس پہ ہے مکروہ و ناجائز پسر
دیدۂ تحقیق سے کر مشورت | چھوڑ کر تقلیدِ محض و عصبیت
عصبیت ہی مانعِ تحقیق ہے | بے محابا منکرِ تصدیق ہے
صاحب وجد و سماع کے حال پر | تو کبھی نادان مت انکار کر
ہر گھڑی اہلِ سماع و وجد پر | رحمتِ حق نازل ہوتی ہے پسر
روح کی معراج ہے ذوقِ سماع | معرفت کا تاج ہے ذوقِ سماع
طالبوں کے واسطے یہ ہے شفا | عاشقوں کے دردِ دل کی ہے دوا

شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت

یوں شریعت اور طریقت کا امام | دے رہا ہے دعوتِ حق کا پیام
اے عزیز من شریعت قال ہے | اور طریقت فعل، حقیقت حال ہے
معرفت[1] اس حال کا انجام ہے | جو خدا کا فضل اور انعام ہے
فضل گر خواہی ازو غافل مشو | و ز علومِ معرفت جاہل مشو
بس یہی تخلیق کی بنیاد ہے[2] | زندگی بے معرفت برباد ہے
جو حقیقت سے ہے اپنی بے خبر | زندگی اس کی ہے مثلِ گاؤ خر
گاؤ خر سے بھی ہے بدتر وہ بشر | جو حقیقت سے ہے اپنی بے خبر

تصوف کی فضیلت

مذہب و ملت ہے مثلِ تن جواں | اور تصوّف مذہب و ملت کی جاں

بے تصوف معرفت ممکن نہیں   فکر چاہے جس قدر بھی ہو حسیں
پس تصوف دین کی بنیاد ہے   جس سے باغِ معرفت آباد ہے
اصل اس کی کلمۂ احسان[1] ہے   جو رسول اللہ کا فرمان ہے
غور سے اس کو سمجھ اے بے یقیں   بے تصوّف دین و ملت کچھ نہیں
جو تصوّف سے مبرّا ہو گیا   زندقہ میں وہ یقیناً کھو گیا
خاتمہ بالخیر ہے اس کا محال   مردِ حق ہرگز نہیں وہ مردِ ضال
ہر کہ غافل شد زِ مولیٰ یک نفس   در حقیقت کافر[2] است و بو الہوس

فقیہانِ خشک اور صوفیانِ جاہل و مکّار کا بیان

بے شریعت کے طریقت ہے حرام   بے طریقت کے شریعت نا تمام[1]
اس حقیقت کو سمجھ اے بے یقیں   مولوی صوفی نہیں تو کچھ نہیں
مولوی صوفی نہ ہو تو با خدا   فاسق و گمراہ ہے سر تا بپا
عالمِ برحق نہ تم اُس کو کہو   حاسد و مغرور و متکبر جو ہو
صاحب احساں نہ ہو جو مولوی   وہ سراپا بندۂ نفس ہے ابھی
عالم و فاضل شدی تو اے اخی   جہد برآں کن کہ تو مومن شوی
صوفیِ جاہل ہو جو مسند نشیں   غوث و ابدال و قطب ہرگز نہیں
پیر زادہ ہو کہ سجادہ نشیں   علم کی دولت نہیں تو کچھ نہیں
بے عمل صوفی ہو جو سرتاپا   ملحد و زندیق ہے وہ باخدا
علم وہبی ہو نہ کسبی ہو جسے   صوفی و درویش مت سمجھو اُسے
فقہ سے غافل ہو گر صوفی کوئی   در حقیقت وہ ہے بد بخت و شقی
اُس کی صحبت سے بچ اے مردِ خدا   طالب دنیائے دوں ہو جو سدا
فقر سے دنیا کا طالب ہو اگر   تو وہ متصوف ہے بے شک اے پسر
اس کی باتوں میں کبھی ہرگز نہ آ   گو بچھائے جال اپنے کشف کا
جبّہ و دستار پہ اُس کے نہ جا   مردِ خود بیں ہے وہ مردودِ خدا

بے محابا اُس کا خرقہ خر کا جھول   مکر کے سیکھے ہیں اس نے چند بول
آدمی کی شکل میں شیطان ہے   جو یقیناً رہزنِ ایمان ہے
اپنی شیخی کو جتا کر وہ شقی   خلق کو گمراہ کرتا ہے یونہی
خود پرستی میں سدا رہتا ہے چور   دشمنِ حق صاحبِ فسق و فجور
یاد رکھ اِس بات کو اے مدعی   فاسق و فاجر نہیں ہوتا ولی
گر ولی اس کو ہی کہتے ہیں تو بس   لعنت ہے ایسے ولی پر ہر نفس

علمائے سوء[1] کا بیان

بے خبر غفلت پرستی تا کجا   جو عدم ہے اس کی ہستی تا کجا
کیوں تکبر اور خودی میں چور ہے   کس لیے تو راہِ حق سے دور ہے
اے گرفتارِ مجاز اے بے شعور   علمِ رسمی پر تجھے اتنا غرور
علمِ رسمی کام آسکتا نہیں   جب تلک پیدا نہ ہو کامل یقیں
نزدِ اہلِ معرفت اہلِ عقول   بے یقیں ہے علم بس کارِ فضول
گر یقیں پیدا نہ ہو تو سر بسر   علم ہے بے نور، بے برگ و ثمر
علم سے پیدا نہ ہو تقویٰ اگر   بے گماں وہ علم ہے نا معتبر
مدرسے میں کیا دھرا ہے بے یقیں   جز بدن، جس میں کہ جاں ہے ہی نہیں
عالم و فاضل ہوا تو کیا ہوا   دل اگر غفلت میں ہے ڈوبا ہوا
دل کی غفلت دور کر اے بے حیا   چھوڑ کر بغض و حسد کبر و ریا
غور سے اس کو سمجھ اے بے یقیں   دل اگر مومن نہیں تو کچھ نہیں
فقہ واستدلال و منطق اور اصول   بے تصوف سب خرافات و فضول
علمِ ناقص قالبِ بے جان ہے   در حقیقت دشمنِ ایمان ہے
عالم سوء نائب ابلیس ہے   جس کا مذہب مکر اور تلبیس ہے
ماسوائے طالب دنیائے دوں   عالم سو کون ہے کس کو کہوں

فضیلتِ فقر و تصوف

علم کی تکمیل قیل و قال ہے   فقر کا اوّل سبق ہی حال ہے

علم کے سینہ میں ہے جوشِ غرور   فقر کے سینہ میں ہے دریائے نور

علم کے دامن میں ہے زعمِ خودی   فقر کے دامن میں کیفِ بے خودی

انتہائے علم بس گفتار ہے   ابتدائے فقر پُر اسرار ہے

علم کہتا ہے زباں کو پاک رکھ   فقر کہتا ہے کہ جاں کو پاک رکھ

علم سکھلاتا ہے کر سجدہ سجود   فقر سکھلاتا ہے کر ترکِ وجود

علم کا مقصود ہے دنیا و دیں   فقر کا مقصود ربُّ العالمیں

علم ہے جویائے راہِ مستقیم   فقر ہے دانائے راہِ مستقیم

علم سے ہوتا ہے عالم آدمی   فقر سے ہوتا ہے کامل متّقی

علم کی دنیا میں ہے تعظیمِ گِل   فقر کی دنیا میں ہے تعظیمِ دل

علم کا مقصود ہے راہِ نجات   فقر کا مقصود ہے عرفانِ ذات

علم ہے سر تا بپا ابن الکتاب   فقر ہے سر تا بپا اُم الکتاب

شانِ علمائے بر حق

عالم باللہ[1] وہ کہلاتا ہے   جس کی صحبت میں خدا یاد آتا ہے

جس[2] کی سیرت میں ہو بوئے احمدی   جس کی صورت میں ہو شانِ حیدری

جو سراپا پیکرِ اخلاق ہو   رویتِ باری کا جو مشتاق ہو

صاحبِ احسان ہو جو بے ریا   نور سے معمور ہو سر تا بپا

ماسوا[3] درویشِ کامل کے کوئی   دہر میں ہرگز نہیں ہے مولوی

عالمِ برحق ہے صوفی با صفا   در حقیقت جانشینِ مصطفیٰ

صوفی و صافی ہے جو مردِ ذکی   ظاہر و باطن میں ہے عالم وہی

حاملِ علمِ نبوت ہے وہی   صاحب کشف و کرامت ہے وہی

در حقیقت وہ ہے اک ایسی کتاب   حجت و برہانِ حق ہے جو جناب

اس کا سینہ علم و حکمت کی ہے کان   اور حدیثِ مصطفیٰ اس کی زبان

نورِ حق سے دیکھنے والا ہے وہ   اور اسی سے گویا و شنوا ہے وہ

سربسر[4] بِی یُبۡصِرُ کی شان ہے   بےخطر بِی یَنۡطِقُ ہر آن ہے

بےگماں بِی یَبۡطِشُ ہے اُس کا حال   مَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ کی مثال[5]

شرائطِ شیخی و درویشی

جو نہ ہو مستغرقِ باری تمام   اُس سے بیعت اور نسبت ہے حرام

اُسوۂ حسنہ کا جو حامل نہیں   شیخ درویشی میں وہ کامل نہیں

صاحب علم و عمل ہو شیخ دیں   پیکرِ صدق و صفا صاحب یقیں

اہل سنت والجماعت سے ہو شیخ   شیخِ کامل کی اجازت سے ہو شیخ

علم و عقل و عشق کی دولت بھی ہو   صاحبِ دل صاحبِ ثروت[1] بھی ہو

علمِ ظاہر اور باطن ہو جسے   صاحبِ ارشاد کہیے بس اُسے

علم اتنا ہو کہ غور و فکر سے   اختلافی مسئلے کو حل کرے

فانی و باقی ہو جو مردِ خدا   بس وہی صوفی ہے با صدق و صفا

قال[2] با حال ست نور آگہی   قال بے حال ست دودِ گمرہی

علم سے تقویٰ کو حاصل کر اخی   گر نہ ہو تقویٰ تو علم ہے گمرہی[3]

یاد رکھ اس بات کو اے ناخلف   ہے اصولِ دین تقلیدِ سلف

لیکن ایماں میں تحقق[4] چاہیے   اس قدر فکر و تعمق چاہیے

اختلافی مسئلہ میں سر بسر   احتیاط و تقویٰ پہ رکھے نظر

یہ اصول ہر وقت ہو پیشِ نظر   اے پسر خُذۡ مَا صَفَادَعۡ مَا کَدر[5]

زہد درویشی کا زیور ہے میاں   اور تقویٰ اُس کا بستر ہے میاں

زہد و تقویٰ سے مزین جو نہ ہو   اس کو درویش و قلندر مت کہو

زہد کا مقصد ہے ترکِ ما سوا   اور تقویٰ ہر نفس خوفِ خدا

خوف ہے قربِ خدا کا وہ مقام   جس میں لغزش معصیت غفلت حرام

خوف ہو اس درجہ غالب قلب پر
اپنی ہستی سے بھی اُٹھ جائے نظر

بس اُسی کو صاحبِ تصدیق جان
جس کا سینہ علم وحکمت کی ہو کان

جو کرے پابندی اکلِ حلال
اور ہو جو پیکرِ صدق مقال

صوفی کامل وہی ہے اے سعیدؔ!
مثلِ شبلی و جنید و بایزید

آدابِ مریدین

جو ریاضت میں لگا ہو ہر گھڑی
وہ ہے متصوف مرید و مبتدی

خواہشاتِ نفس سے جو ہر زماں
بچ کے رہتا ہے وہ ہے مردِ جواں

شیخ کی مرضی پہ جو قائم رہے
اس کے ہر ہر حکم پہ جو مر مٹے

اپنی فکر و رائے کو جو چھوڑ دے
ہر تعلق سے جو ناتا توڑ دے

تم مریدِ با صفا اس کو کہو
جس کی اپنی کوئی مرضی ہی نہ ہو

صاحبِ اخلاص ہے وہ بایقیں
جس کے دل میں حبِّ شیخ ہو جاگزیں

استقامت

استقامت پہ جو قائم ہو کوئی
صاحبِ کشف وکرامت ہے وہی

استقامت شرط ہے اِس راہ میں
فرق ہے یہ ہادی و گمراہ میں

استقامت کے مقابل بے گماں
ہیچ ہیں کشف و کرامات جہاں

کشف[1] ہے کیا حیضِ مردانِ خدا
اور کرامت ہے نفاسِ اولیا

حیض ہے عینِ بلوغت معنوی
اور نفاس ہے بس ولادت ثانوی

استقامت ہے ولد کی زندگی
اصل مقصود ہے حقیقت میں یہی

طالبانِ حق کے لیے پند و نصائح

ہر گھڑی اس کی اطاعت ہو فزوں
روز و شب اس کی محبت ہو فزوں

فقر[1] و فاقہ میں بسر کر زندگی
بس یہی ہے عین روحِ بندگی

ہاتھ سے ہر گز نہ سیم و زر پکڑ
گر پکڑ تو اولیا کا در پکڑ

طالبِ حق طالبِ دنیا نہ بن
نفس اور شیطان کا بندہ نہ بن

بندگی نفسِ امارہ فضول
اس کا کچھ حاصل نہ اس کا کچھ حصول

اہل دنیا کے لیے عقبیٰ نہیں
اہلِ عقبیٰ کے لیے دنیا نہیں

دین و دنیا دونوں ہاتھ آتے ہیں کب
یہ ہوس دل میں نہ رکھا ے بےادب!

دنیا اک مردار اور ناپاک ہے
جو سگ و کرگس کی ہی خوراک ہے

تو خدا کا شیر ہے مردِ خدا
تجھ پہ فرضِ عین زہد و اتّقا

شیر مردوں کا یہی دستور ہے
دونوں عالم میں یہی مشہور ہے

تین فاقہ جب تک ہو جاتا نہیں
شیرِ حق مردار کو کھاتا نہیں

پیرزن[2] دنیا کو جو دے دے طلاق
وہ ہے درویشی میں کامل اور طاق

چھوڑ کر مکر و دغل بے قال و قیل
شیرِ حق مردِ خدا بن زندہ فیل

شیر کی مانند اے مردِ خدا
ماسوا کو ایک لقمہ تو بنا

حیدرِ کرّار کا ہے پاس اگر
تو سراپا شیر نر بن شیرِ نَر

شیرِ نر بن چھوڑ مکر و روبہی
تا کہ پھر حاصل ہو علم و آگہی

آگہی مردِ خدا کی شان ہے
آگہی ہی حاصلِ عرفان ہے

تو کہ غفلت میں پڑا ہے بے خبر
جادہ و منزل سے کوسوں دور تر

مال و زر کے واسطے اے بے حیا[3]
تو پھرے گا کب تلک یوں جا بجا

باعثِ فتنہ زن و فرزند ہیں[4]
گو بظاہر دیکھنے میں قند ہیں

ان کی الفت میں نہ کر خود کو تباہ
مت سمجھ ہرگز انہیں پشتِ پناہ

کب ہوئے ہیں یہ کسی کے واسطے
دشمنِ جاں زندگی کے واسطے

با ہمہ و بے ہمہ رہ تو سدا[5]
تا کہ حاصل ہو تجھے فضل خدا

صحبتِ نا اہل سے جو ہر گھڑی
دور رہتا ہے وہی ہے متقی

جو حسد سے پاک ہو وہ آدمی
جنّتی ہے جنّتی ہے جنّتی

جملہ اخلاقِ رذیلہ سے سدا
اپنے باطن کو بچا مردِ خدا

سب سے کمتر جان اپنے آپ کو
تا کہ دل سے کبر و نخوت دور ہو

انکساری ہے صفت انسان کی
کبر و نخوت ہے صفت شیطان کی

کبر ہی سے پیدا ہوتا ہے حسد
اور حسد کا پوچھ مت انجامِ بد

زاہد صد سالہ جیسا با خدا
بس حسد ہی کے سبب رسوا ہوا

سینہ و دل سے پس اے جانِ پدر
کینہ و بغض و حسد کو دور کر

دور کر دل سے تو اے مردِ خدا
کفر و شرک و بدعت و عجب و ریا

معصیت سے آپ اپنے کو بچا
گر ہے تیرے دل میں کچھ خوفِ خدا

لہو و بازی کی طرف مائل نہ ہو
امر بالمعروف سے غافل نہ ہو

کذب و غیبت سے زباں کو پاک رکھ
عشقِ مولیٰ سے جگر کو چاک رکھ

خوابِ غفلت سے اُٹھ اے مردِ خدا
تا کہ حاصل ہو تجھے فضلِ خدا

جس نے غفلت میں گزاری زندگی
آخرش ہوگی اسے افسردگی

جس کو دنیا میں نہ ہو دیدارِ یار
روزِ محشر وہ اُٹھے گا شرمسار

موت[5] سے پہلے جو مر جائے کوئی
اس کے قدموں پر حیاتِ دائمی

زندۂ جاوید ہے وہ باخدا
راہِ حق میں جو کہ ہو جائے فنا

کیا دھرا ہے دہرِ دوں میں بے گماں
جز فلاں ابنِ فلاں ابنِ فلاں

ما سوا سے اور اُمید وفا
لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی[6]

اذکار و اشغال کا بیان

ذکر[1] کر ذکرِ خدا ہر روز و شب
ذکر سے ہوتا ہے نازل فضلِ رب

ذکر سے غافل نہ ہو تو اک گھڑی
ذکر ہے مردِ خدا کی زندگی

ذکر سے بڑھ کر نہیں کوئی بھی شئے
سب سے برتر اور اعلیٰ ذکر ہے

ہر نفس اور ہر گھڑی تو ذکر کر
ذکر قائم ہو تو شغلِ نفی[2] کر

محو کر ہستی کو یوں مردِ خدا
ما سوائے حق سبھی کو بھول جا

بھول جا دل سے تو اے مردِ خدا
اپنی ہستی کو بھی تو اُس کے سوا

بس خدا کے نطق سے گویا ہو تو
اور اُسی کے نور سے بینا ہو تو

تا کہ ہو قربِ نوافل میں گزر
تیری گویائی ہو اُس کے نطق پر

قرب ہے وہ جس میں فاعل ہو خدا
بندہ کی صورت میں بے چون و چرا

پاسِ انفاس[3] ہے صلوٰۃِ دائمی
برزخِ مرشد ہے نورِ ایزدی

مصحفِ رخ کا مطالعہ کر اخی
حاصلِ قرآن ہے تو بس یہی

اپنی ہستی کی جو دے پہلے زکوٰۃ
وہ کرے پابندی صوم و صلوٰۃ

حجِ ربُّ البیت ہے مردوں[4] کا کام
قرب کی دولت سے ہیں جو شادکام

شغلِ محمودہ[5] مکمّل جو کرے
وہ عجائب اور غرائب دیکھ لے

نغمۂ دلکش ہے صوتِ سرمدی
لیکن اوّل چشم و گوش و لب کو سی

ہر نفس میں ہے پیامِ آگہی
اس قدر طاری ہے کیفِ بےخودی

ہوش میں آ عبدیت[6] کو کر قبول
گم نہ ہو جائے کہیں راہِ نزول

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

صدق دل سے اے سعیدِ بے نوا
مانگ ربُّ العالمیں سے یہ دُعا

یا خدا کر صاحب صدق و صفا
از طفیلِ انبیا و اولیا

بندۂ عاصی ہوں میں یا ذوالجلال
سربسر بد بین و بدخو، بدخصال

میں ہوں اس درجہ گنہگار و شقی
جس کے آگے ہیچ ہے ابلیس بھی

اک گناہ اس نے کیا میں نے ہزار
بلکہ سچ پوچھو تو بے حد بے شمار

کس زباں سے میں کہوں بارِ الٰہ
رحم فرما با ہمہ ذوقِ گناہ

کس زباں سے میں کہوں ربِّ غفور
رحم فرما با ہمہ فسق و فجور

تجھ سے پوشیدہ نہیں میرے عیوب
بس کہ تو ہے آپ علاّمُ الغیوب

پر ادب کے ساتھ کہتا ہوں یہ بات
چوں کہ غفارالذّنوب ہے تیری ذات

گو سراپا بحرِ معصیت میں ہوں
پر تیرے محبوب کی امت میں ہوں

بس یہی ہے مدّعائے گفتگو
رحم کر از کلمۂ لَا تَقْنَطُوْا

پیر و مرشد کی عنایت کے طفیل
اور خلقت کی عقیدت کے طفیل

شیخِ کامل کی ولایت کے طفیل
جانشینی و خلافت کے طفیل

شہ صفیؔ اللہ کی حرمت کے طفیل
عارفؔ کامل کی عظمت کے طفیل

واقفِ سرِ قلؔ ھواللہ کے طفیل
حضرت خادمؔ صفی شہ کے طفیل

شہ صفیؔ و سعدؔ و میناؔ کے طفیل
چار پیر[1] و چودہ خواجہ کے طفیل

شجرۂ چشتی نظامی کے طفیل
رشتۂ مینائی صفوی کے طفیل

پنجگانِ پاک طینت کے طفیل
آل و اصحابِ کرامت کے طفیل

شاہِ مرداں کی شجاعت کے طفیل
ابنِ حیدرؔ کی شہادت کے طفیل

فاطمہ زہرا کی عصمت کے طفیل
اور محمد ﷺ کی شفاعت کے طفیل

یا الٰہی شانِ رحمت کے طفیل
جوشِ دریائے سخاوت کے طفیل

کل گنہگاروں کو پہلے بخش کر
پھر مجھے بخش اے خدائے بحر و بر

دیدۂ خوں ناب کے صدقے طفیل
اس دلِ بے تاب کے صدقے طفیل

حلقۂ اوتاد کے صدقے طفیل
زمرۂ افراد کے صدقے طفیل

عظمتِ ابرار کے صدقے طفیل
حرمتِ اخیار کے صدقے طفیل

واقفِ اسرار کے صدقے طفیل
سینۂ شطّارؔ[2] کے صدقے طفیل

غوث اور ابدال کے صدقے طفیل
سالکانِ حال کے صدقے طفیل

حیدرِ کرّار کے صدقے طفیل
احمدِ مختار کے صدقے طفیل

بخش نورِ معرفت کا ایسا جام
جس کو پی کر میں رہوں بے خود مدام

یعنی اپنے آپ سے ہو جاؤں گم
پی کے صہبائے **سَقَاھُمْ رَبُّھُمْ**[3]

خاتمہ

میرے جذب و شوق کا یہ قافلہ
مثنوی کی شکل میں ہے برملا

جس طرف یہ چاہتا ہے بے خطر
کھینچ لے جاتا ہے مجھ کو سر بسر[1]

میں ہوں اس کے پنجہ گیرا میں یوں
عقل پہ غالب ہو جس طرح جنوں

عالمِ بالا سے مضمون و خطاب
نازل ہوتے رہتے ہیں یوں بے حساب

طالبِ صادق ہو کوئی تو کہوں
اُس سے جذب و شوق کا رازِ دروں

کس سے بتلاؤں میں اسرارِ نہاں
کون سمجھے گا اشاروں کی زباں

ما سوائے اہلِ دل اہلِ کمال
کون سمجھے گا زبانِ حال و قال

ذوق و حال و قال کے ہے درمیاں
میرے جذب و شوق کا یہ کارواں

حرف را بگذار معنی را بگیر
دور کن از مغز قشرش ہمچوں شیر

مثنوی نغمات ہے وہ مثنوی
جس میں پوشیدہ ہیں اسرارِ خفی

طالبوں کے واسطے اکسیر ہے
اور مریدوں کے لیے یہ پیر ہے

اعتبارات و جہات اس کے سمجھ
اصطلاحات و لغات[2] اس کے سمجھ

گر سمجھ سے دور ہو یہ علم و فن
پوچھ مردانِ خدا سے جانِ من

پھر بھی رہ جائے اگر ژولیدگی
تو سمجھ خود فہم کی نابالغی

فہمِ ناقص کا سمجھ اپنے قصور
کور چشمی ہے حجابِ عینِ نور

جو مقلد محض ہوگا بے گماں
وہ نہ سمجھے گا محقق کی زباں

عصبیت کی راہ سے دیکھے گا جو
وہ نہ پہچانے گا ہرگز راست کو

اہلِ معنیٰ سے عقیدت چاہیے
ہر نفس صدقِ ارادت چاہیے

جو ارادت کی نظر سے دیکھے گا
اُس پہ کشف اسرار سب ہو جائے گا

جو رکھے گا مثنوی سے دشمنی
کبر و نخوت کے سبب ہوگا شقی

علم و حکمت پیش نااہل و گنوار
گردنِ خنزیر میں جیسے کہ ہار[3]

ناسمجھ کے سامنے حکمت کی بات
بے اثر بے سود بے جا بے ثبات

منکرِ احوال ہوگا جو کوئی
وہ نہ سمجھے گا حقیقت میں کبھی

انبیا و اولیا کی راہ کو
کب دکھائے گا خدا گمراہ کو

مثنوی نغماتُ الاسرار ہر زماں
جو پڑھے گا صدقِ دل سے بے گماں

وہ سعیدؔ ہو جائے گا حق آشنا
عارفِ باللہ مقبولِ خدا

☆☆☆

رموز نغمات

ذیشان احمد مصباحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱ روح انسانی، جس کا تعلق عالم ملکوت سے ہے، جس کے بارے میں ارشاد ہے: اے نبی ! آپ کہہ دیں کہ روح میرے رب کے امر سے ہے- قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّیْ (بنی اسرائیل: ۸۵) ان ابتدائی اشعار میں جو اسلوب اپنایا گیا ہے اسے شعری اصطلاح میں شاعرانہ تعلّی کہا جاتا ہے- اس کی سیکڑوں مثالیں صوفی و غیر صوفی شعرا کے یہاں تلاش کی جا سکتی ہیں- ویسے میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ یہ مثنوی ایک خاص کیفیت میں کہی گئی ہے- یہ غلبۂ حال کے تحت زبان پر آ جانے والے الفاظ ہیں جن کو صرف وہی سمجھ سکتا ہے جسے

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　　گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

کا شعور حاصل ہے- یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ اشعار مقام آدمیت و انسانیت سے کہے گئے ہیں- شاعر کے سامنے اپنی شخصیت نہیں، اپنی حقیقت ہے-

۲ شیخ زبردست توحید پرست ہیں- وہ بیک وقت وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود پر یقین رکھتے ہیں- ان کی محفل میں بیٹھنے والے اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ان کی گفتگو جہاں سے بھی شروع ہو آخرش اسی ہستی تک پہنچتی ہے جس کی شان بے مثال لَیْسَ کَمِثْلِهِ شَیْءٌ (الشوریٰ: ۱۱) ہے-

۳ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا: لاَ تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ: ۴۰) ڈرو نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے- یہ توکل علی اللہ کی اعلیٰ ترین مثال ہے- صوفیہ اسی طریق پر گام زن ہوتے ہیں- ان کا سرمایہ صرف توکل علی اللہ ہوتا ہے- اللہ پر اعتماد انہیں ہر خوف سے آزاد کر

دیتا ہے اور وہ اسی اعتماد پر رقصاں وشاداں رہتے ہیں۔

۴۔ نعمات **وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ** کا مطلب ہے اولیاء اللہ کی باتیں۔ بے خوف و بے غم ہونا اولیا کی صفت ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ کوئی غم ہوتا ہے: **أَلاَ إِنَّ أَوْلِيَاء اللّهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ** (یونس:۶۲) ان بے خوف و بے غم رجالِ قدس کی باتیں اہل دل کو فنا کی وادی سے گزارنے والی ہوتی ہیں۔ یہ شاعری ایسے ہی مضامین پر مشتمل ہے، جن میں سالک کے لیے بہتر سامانِ رُشد اور مجذوب کے لیے حکایاتِ جنوں اور اشارات بے خودی موجود ہیں۔ اسے ان من البیان لسحرا کی حامل شیخ کی مجلس وعظ سے جوڑ کر دیکھیے تو کچھ اور ہی لطف آئے گا جہاں شیخ کی سحر آفریں ورقت آمیز باتیں سن کر آہ وفغاں کی مجلس گرم ہو جاتی ہے اور ایک ساتھ علما، صلحا اور عوام ہچکیاں بھرتے نظر آتے ہیں۔

حقیقت اشیا کا بیان

۱۔ کائنات کی حقیقت کو جاننا کوئی معمولی علم نہیں۔ یہ اساس معرفت ہے۔ تمام معارف و حقائق کا ادراک اسی معرفت پر مبنی ہے۔ جس نے اسے نہ جانا اس نے کچھ بھی نہ جانا۔ عقائد کی کتابیں حقیقت اشیا کی بحث سے شروع ہوتی ہیں۔ عقائد نسفی کا پہلا جملہ ہے: **حقائق الاشیاء ثابتة**۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ معرفت شے کے بغیر صحیح عقائد کا علم ممکن ہی نہیں ہے، جن پر نجات و بخشش کا مدار ہے۔ شیخ نے سب سے پہلے یہ عنوان قائم کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ پوری کائنات مظہر ذات حق بھی ہے اور اس کے وجود پر برہان ودلیل بھی ہے۔ پتہ پتہ اور ذرہ ذرہ خلاق عالم کی توحید کا اعلان کر رہا ہے۔ اس ذیل میں بطور خاص پہلا شعر اپنی فنی خوبی، صوتی آہنگ، لفظی نظم، معنوی ندرت اور جمالیاتی رنگ میں اپنی مثال آپ ہے، جس میں ہستی کی خاموشی سے پیدا ہونے والی بھینی موسیقیت کو پردۂ الہام اور اشارۂ غیب بتایا گیا ہے اور سانسوں کے

تسلسل سے پیدا ہونے والی نغمگی کو پیغام حق کہا گیا ہے، کیوں کہ ان سانسوں کا تسلسل جہاں حکایت نغمۂ جاناں ہے وہیں اس کے ساتھ نفخ روح حق کا راز سربستہ بھی ہے۔ کاش کہساروں سے اٹھنے والے نغموں اور سانسوں میں بسی ہوئی خوشبوؤں کے اشارات کو انسان سمجھ سکتا!

۲۔ انسان کی آواز بلکہ اس کے تمام تر حرکات وسکنات کے پیچھے محرک وعامل اس کی روح ہوتی ہے اور حقیقت روح کو سمجھنا بہت ہی مشکل امر ہے۔ رسول کائنات علیہ التحیۃ والثناء سے جب ان کی قوم نے روح کے بارے میں سوال کیا تو قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی: **يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي** (بنی اسرائیل: ۸۵) ''لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ روح کا تعلق میرے رب کے امر سے ہے۔''

روح کے تعلق سے ایک دوسری آیت میں تخلیق آدم کے حوالے سے ارشاد ہے: **فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُواْ لَهُ سَاجِدِينَ**۔ (الحجر:۲۹) ''تو جب میں نے آدم کے پتلے کو مکمل کر لیا اور اس میں میں نے اپنی روح پھونک دی، تو سب آدم کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔'' اس طرح انسانی زندگی اسی ''نفخ روح'' کا نتیجہ ہے۔ ہماری سانسوں کے پیچھے ''نفخ روح ربانی'' زبردست محرک ہے، ایسی زبردست جس کے ادراک سے عقل حیران ہے۔ ہمیں اس پر اعتقاد لازم ہے کہ آدم کے اندر خدا نے اپنی روح پھونکی اور انسانی روح ''امر رب'' سے ہے مگر اس راز کو سمجھنا نہ ہمارے بس کا ہے اور نہ ہی ہم اس کے مکلّف ہیں۔

۳۔ تم جہاں کہیں رہو اللہ تمھارے ساتھ ہے۔ (الحدید:۴) صوفیہ نہ صرف قال سے بلکہ حال سے بھی مطالعۂ فطرت میں مست وسرشار رہتے ہیں۔ اسی طرح کائنات بزبانِ حال اپنے خالق کی حمد وثنا میں مصروف ہے۔

۴۔ **وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَاباً طَهُوراً** (الدھر:۲۱)

ان کے رب نے انہیں جام طہور پلایا۔

شرح

وَ فِیۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلاَ تُبۡصِرُوۡنَ - وَمَنۡ عَرَفَ نَفۡسَہ‘ فَقَدۡ عَرَفَ رَبَّہ‘

۱۔ یہ کائنات مظہر ذات حق ہے- اپنے خالق کے وجود پر کھلی دلیل ہے- اسے انسان کی خود بینی یا کورچشمی کہیے کہ اس کی نظر خالق تک نہیں پہنچ پاتی- اگر نگاہ شوق میں بینائی پیدا ہو جائے تو کاروبار جہاں کا نقشہ کچھ اور ہی نظر آئے گا- صوفیہ اس سے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ انسان اگر کائنات کو چھوڑ کر خود اپنی ہستی کو پہچان لے تو اسے اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل ہو جائے گی- ایک حدیث ضعیف ان کے یہاں بہت مقبول ہے **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** (کشف الخفاء، حدیث: ۲۵۳۰، جلد: ۲، ص: ۲۳۴) جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا- ناقدین تصوف اس حدیث کی تضعیف کے پردے میں اس نظریے کو ہی مسترد کرنے کی کوشش کرتے ہیں- شیخ نے اسی لیے اس حدیث ضعیف کو نقل کرنے سے قبل قرآن کی ایک آیت لکھ کر اس موقف کو نص قرآنی سے مؤیّد کر دیا ہے- پوری آیت کریمہ یوں ہے: **وَفِیۡ الۡاَرۡضِ آیَاتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ط وَفِیۡ أَنۡفُسِکُمۡ أَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ** (الذاریات: ۲۰/۲۱) اہل ایقان کے لیے زمین میں نشانیاں ہیں اور خود تمہاری اپنی ہستی میں نشانیاں ہیں- کیا تم غور نہیں کرتے؟

۲۔ خاتم المحققین علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ اپنے رسالہ **القول الاشبہ فی حدیث من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** میں رقم طراز ہیں:

''اس میں دو باتیں ہیں: پہلی بات یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے- امام نووی سے ان کے فتاویٰ میں اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: یہ ثابت نہیں ہے- ابن تیمیہ نے اسے موضوع کہا ہے اور زرکشی نے **الاحادیث المشتھرہ** میں کہا ہے کہ ابن سمعانی نے بتایا کہ یہ یحیٰ ابن معاذ رازی کا قول ہے- دوسری بات اس کے معنی سے متعلق ہے- امام نووی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا: اس کے معنی یہ ہیں کہ جو اپنی

ذات کی کم زوری، احتیاج الی اللہ اور عبودیت کو جان لے، وہ اپنے رب کی قوت و ربوبیت، کمال مطلق اور صفات عالی سے بھی آشنا ہو جائے گا- شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے لطائف المنن میں کہا ہے کہ میں نے اپنے شیخ ابو العباس المرسی کو کہتے سنا کہ اس حدیث کے دو معنی ہیں: ایک یہ ہے کہ جو اپنے نفس کی عجز و حقارت اور فقر سے آشنائی حاصل کر لے وہ اللہ کی عظمت و کبریائی اور قدرت و بے نیازی سے واقف ہو جائے گا- پہلے اپنے نفس کی معرفت ہوگی پھر اس کے بعد خدا کی معرفت حاصل ہوگی- اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی اپنے آپ کو جان لیتا ہے تو اس کا یہ جاننا اس بات کی دلیل ہوگی کہ اس نے اس سے پیشتر اللہ کی معرفت حاصل کر لی ہے- پہلا سالکین کا حال ہے جب کہ دوسرا مجذوبین کا حال ہے- اور شیخ ابو طالب مکی نے قوت القلوب میں کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تم خلق کے معاملات میں اپنی ذات سے واقف ہو گئے اور تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ تمہارے کام کے سلسلے میں کوئی اعتراض کرے یا تمہارے کام میں کوئی عیب نکالے تو اس سے تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تمہارے خالق کی صفات کیا ہیں اور اسے کون سی باتیں ناپسند ہیں- اب اس کے فیصلے پر راضی رہو اور اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرو جیسا کہ تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ کیا جائے-''

چند سطور کے بعد علامہ سیوطی مزید فرماتے ہیں:

''اس حدیث کی ایک دوسری تفسیر بھی ہے اور وہ یہ کہ تم اس سے آشنا ہو کہ تمہاری ذات کی صفات تمہارے رب کی صفات کی ضد ہیں- اب جو شخص اپنی ذات کی فنا کو جان لے گا وہ اپنے رب کی بقا کو جان لے گا اور جو اپنی ذات کے جفا اور خطا سے آگاہ ہو جائے گا وہ اپنے رب کی صفت وفا اور عطا سے آگاہ ہو جائے گا اور اسی طرح جو اپنی ذات کی حقیقت کو جان لے گا وہ اپنے رب کی حقیقت ذات کو بھی جان لے گا- واضح رہے کہ تمہارے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ تم اپنی ذات کو اسی طرح جان لو جس طرح وہ ہے، پھر تمہارے لیے یہ کب ممکن ہوگا کہ تم اپنے رب کو ویسا ہی جان لو جیسا کہ وہ ہے- گویا اس ارشاد **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** میں تعلیق محال بر محال ہے،

کیوں کہ اپنے نفس کی حقیقت اور کیفیت وکمیت سے تمہارا واقف ہونا محال ہے اور جب تمہارے لیے اپنی ذات کی صفات؛ کیفیت، کمیت، اینیت اور فطرت کا بیان محال ہے، نہ ہی وہ قابل دید ہے تو پھر تمہاری بندگی کو یہ کب زیب دے گا کہ وہ ربوبیت کی کیفیت وانیت بیان کرنے لگے، جو کیف واین سے پاک ہے۔''

(الحاوی للفتاوی:۲/۲۳۹،۲۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حاشیۂ جلالین جو مفتی ارشاد حسین رام پوری صاحب کے کسی شاگرد کی طرف منسوب ہے، میں سورۂ فاطر کی آیت یَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاء إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ کے ذیل میں صاوی کے حوالے سے **من عرف نفسه فقد عرف ربه** کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول بتایا گیا ہے۔اسی طرح بعض حضرات اسے مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں۔

(الصواعق المحرقہ:۲/۳۷۹، الرسالہ، بیروت)

۳۔ یا تو اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت میں پیدا کیا۔**فان اللّٰہ خلق آدم علی صورته** (مسلم، کتاب البر والصلہ، باب النہی عن ضرب الوجہ) واضح رہے کہ یہاں آدم سے مراد تمام اولاد آدم ہیں، کیونکہ یہ حدیث چہرے پر مارنے کی ممانعت کے بیان میں وارد ہے۔یا پھر یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان اس کائنات کی سب سے بڑی تخلیقی شاہکار ہونے کی وجہ سے خالق کے وجود پر سب سے بڑی دلیل اور ذات حق کا سب سے بڑا مظہر ہے۔اس لیے اس عظیم برہان اور مظہر کامل کے سامنے ہوتے ہوئے خدا کی معرفت سے دوری سخت غفلت اور انتہائی بے خبری ہے۔یا یہ بتانا ہے کہ خلق کا وجود بذات خود حق کے وجود کی دلیل ہے۔جیسے کہا جائے کہ دھوپ کی آمد خود آفتاب کی آمد ہے۔یا چاندنی کو دیکھ کر کہا جاتا ہے کہ گھر میں چاند اتر آیا ہے۔ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں بھی اگر کوئی سورج یا چاند کے وجود کی شہادت مانگے تو اس سے بڑا بے خبر کون ہوسکتا ہے؟

۴۔ تیرا وجود تیرے رب کے وجود کی کھلی شہادت ہے۔وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ

(الذاریات:۲۱) ''تمہارے اندر خدا کی نشانیاں ہیں، کیا تم غور نہیں کرتے؟'' ذاتِ حق کی آیات بینات تمہارے اندر موجود ہیں اور تم اس کی تلاش میں سرگرداں اور اس کے وجود میں مشکوک ہو؟

۵۔ کیوں کہ سالار کاروانِ انسانیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہی خالق کائنات کی اوّلین تخلیق ہیں اور انہیں سے اور انہیں کے لیے پوری انجمن سجائی گئی ہے۔جیسا کہ بعض ضعیف روایتوں میں مذکور ہے۔اس لیے خالق کے نگارخانے کی سب سے شاہکار تخلیق انسان ہے، جس سے تخلیق اولین کا تعلق ہے یا انسان اس معنی میں روحِ کائنات ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے، وہ تمام مخلوقات کی صفات کا جامع اور سب سے کامل ہے۔جس سے خدائی نشانیوں کا سب سے زیادہ ظہور ہوتا ہے۔

۶۔ تو وہی روح ہے جسے اللہ کریم نے آدم خاکی میں پھونکا تھا اور **نور من اللہ** تیرے ہی امیر وسلطان کے لیے وارد ہوا ہے، جو تیری نوع سے ہیں۔

۷۔ کائنات کا ایک ذرہ بھی اس کے چاہے بغیر نہیں ہل سکتا۔پھر شاعری کا یہ لطف انگیز جام معرفت اس کے چاہے بغیر کیسے لنڈھایا جاسکتا ہے؟ انسان کے پورے وجود پر اس کی روح کی حکمرانی ہے، مگر یہ روح کیا ہے اور کیا وہ بالکلیہ آزاد ہے؟ اس کے اوپر کس کی حکمرانی ہے؟ ان سوالات پر غور کرنے سے یہ عقدہ کھل جائے گا کہ اصل گویا، شنوا اور بینا کون ہے۔ممکن ہے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو کہ یہ مضامین ایک مخصوص کیفیت کے تحت خیال میں آئے ہیں۔ان کی حیثیت عامی نہیں، الہامی ہے۔یہاں قدر وجبر کے حوالے سے علمائے اسلام کے موقف کو سامنے رکھنا بے محل نہیں ہوگا۔عقائد کے باب میں رونما ہونے والے اولین اختلافات میں سے یہ ایک ہے۔قدریہ اس بات کی طرف گئے کہ تقدیر نام کی کوئی شے نہیں۔بندہ اپنے افعال واقوال کا خالق اور ذمہ دار خود ہے اور اسی پر سزا وجزا کا مدار ہے۔جبریہ اس سمت گئے کہ بندے کا اختیار کچھ بھی نہیں، سب کچھ تقدیر وتخلیق ربانی سے ہے۔بندہ مجبور محض ہے۔اہل سنت کا موقف درمیانی ہے، نہ وہ پورے طور پر جبری ہیں اور نہ پورے طور پر قدری۔ایک جہت سے

جبری ہیں اور ایک جہت سے قدری- وہ اس اعتبار سے جبری ہیں کہ افعال واقوال کا خالق صرف خدا کو مانتے ہیں اور اس اعتبار سے قدری ہیں کہ وہ بندے کے لیے قوت کسب مانتے ہیں، اگر چہ اصل خالق ومحرک صرف اللہ تعالیٰ کو ہی مانتے ہیں- اہل سنت کے اس واضح موقف کی روشنی میں اس بات کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ بندے کے اندر حقیقی شنوا، بینا اور گویا حق تعالیٰ کی ذات اقدس ہے- شاعر بظاہر اپنی فکر کو مہمیز اور زبان کو حرکت ضرور دیتا ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ خیال کے اندر غیب سے مضامین کی آمد ہوتی ہے- جبر وقدر سے پاک یہی اہل سنت کا مذہب اعتدال ہے- یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اہل دل کا کلام بظاہر جبر کی طرف مائل نظر آتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ مائل بہ جبر ہیں، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کے ایک ہاتھ میں توکل کی دولت اور دوسرے میں اپنی خودی کی راکھ ہوتی ہے اور دل موج وحدت سے لبریز ہوتا ہے- وہاں غیر کا گزر ہی نہیں ہوتا، خود اپنا بھی نہیں- ''تو ہی تو'' ان کا کل سرمایہ ہوتا ہے-

۸ اقبال نے کہا:

کرا جوئی چرا در پیچ و تابی — کہ او پیدا ست تو زیر نقابی

(کس کی تلاش میں ہو اور کیوں پریشان ہو رہے ہو؟ وہ تو سامنے ہے، تم چھپے ہوئے ہو-)

چشم حقیقت بیں سے اپنی ذات میں ذات حق کو جلوہ نما دیکھنے کے یہ معنی ہیں کہ انسان جو آیات الٰہیہ کا سب سے بڑا مظہر ہے، اگر خود وہ اپنی ذات کا حقیقت پسندانہ مطالعہ کرے تو اسے تلاش حق کے لیے کہیں اور جانے کی ضرورت نہ ہوگی- پوری کائنات اور تمام انفس وآفاق میں ربانی آیات کا ایسا بے حجابانہ ظہور ہے کہ اگر چشم حق بیں سے انسان ان کا مطالعہ کرے تو خود اسے اپنا وجود محجوب معلوم ہوگا- اقبال نے اسی تناظر میں یہ اشعار کہے ہیں اور شیخ اسی چشم بینا کو کھولنے کی بات کر رہے ہیں- شیخ کے بقول **من عرف نفسه فقد عرف ربه** کا حاصل یہی ہے، **وَفِىٓ أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ** کا یہی مطلوب ہے، ذات حق کے شہ رگ سے قریب تر ہونے کے بھی یہی

معنی ہیں، اللہ کی صفت **ھو الظاھر** کا مدعا بھی یہی ہے اور اسی کی طرف ایک ضعیف روایت کنت کنزاً مخفیاً کا اشارہ ہے-

۹ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق:۱۶) ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں-

۱۰ امام عجلونی نے کشف الخفاء میں حدیث نمبر ۲۰۱۶ کے ذیل میں لکھا ہے: ''**کنت کنزاً لا اعرف فاحببت ان اعرف فخلقت خلقاً فعرفتهم بی فعرفونی** (میں ایک نامعلوم خزانہ تھا تو میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کی تخلیق کی اور انہیں خود سے آشنا کرایا تو وہ مجھ سے آشنا ہو گئے-) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: **فتعرفت الیهم فبی عرفونی** (تو میں ان کے لیے شناسا ہو گیا تو وہ میری وجہ سے مجھ سے آشنا ہو گئے-) ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ یہ کلام رسول نہیں ہے اور اس کی کوئی بھی صحیح یا ضعیف سند موجود نہیں ہے- زرکشی نے **اللآلی المصنوعه** میں اور ابن حجر اور سیوطی وغیرہ نے بھی یہی کہا ہے- اور ملا علی القاری فرماتے ہیں: لیکن اس کے معنی صحیح ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مستفاد ہیں: **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ** (میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا-) **لیعبدون** کے معنی **لیعرفونی** (تاکہ وہ مجھے پہچانیں) ہیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر کی ہے- اور زبان زد یہ الفاظ ہیں: **کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت خلقا فبی عرفونی** اور صوفیہ کے یہاں یہ کثرت سے موجود ہے- اس پر انہوں نے اعتماد کیا ہے اور اس سے متعدد اصول اخذ کیے ہیں-''

(کشف الخفاء: ۲/۱۳۲، دار احیاء التراث العربی)

شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے: ''یہ حدیث کشفاً ثابت ہے نقلاً غیر ثابت ہے-''

(الفتوحات المکیہ، باب: ۱۹۸)

وحدت کا بیان

۱ شیخ کے نزدیک وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود معنوی طور پر ایک ہی ہیں- دونوں میں حقیقی

تضاد نہیں ہے-نظر اس منبع نور و وجود پر ہو تو وجود ایک نظر آتا ہے کیوں کہ اس کے ماسوا کچھ نظر ہی نہیں آتا، بلکہ ماسوا کی خبر ہی نہیں ہوتی -اور اگر اس کی تجلیوں پر ہو تو کل عالم کثرت اس ذات یکتا کی شہادت دیتا ہوا نظر آتا ہے-شاہ ولی اللہ عارف دہلوی وغیرہ کا موقف بھی یہی رہا ہے اور بات بھی یہی معقول ہے- دراصل وحدۃ الوجود ایک حال ہے، جب سالک ایک خاص مقام پر پہنچتا ہے تو وہ **لاموجود الا ھو** کی ضرب لگاتا ہے، کیوں کہ جتنے عارضی وظلی موجودات ہیں اس وقت سب اس کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں، اسے صرف ایک وجود نظر آتا ہے، ورنہ وحدۃ الوجود کے یہ معنی قطعی کسی نے نہیں لیے کہ وجود واحد کے علاوہ کسی طرح کا کوئی عارضی وجود بھی نہیں ہے-اسی لیے یہ کہا جاتا ہے کہ جو ذات حق میں فنائیت کے اس مقام تک نہ پہنچا ہو وہ صحیح طور پر وحدۃ الوجود کو نہیں سمجھ سکتا، کیوں کہ اس پر ماسویٰ اللہ سے غفلت کی وہ کیفیت ہی پیدا نہ ہوگی- ہاں! عام حالات میں نگاہ حق بیں کے لیے وحدۃ الشہود کا مفہوم سمجھ میں آنے والا ہے، کیوں کہ اسے پوری کائنات وجود واحد کی شہادت دیتی نظر آتی ہے-

۲ فنافی التوحید کا رشتہ لاشعوری طور پر عالم ناسوت سے کٹ کر عالم لاہوت سے جڑ جاتا ہے- وہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے غافل اور خلق میں ہوتے ہوئے حق سے واصل ہوتا ہے-

۳ کم و بیش اٹھارہ ہزار مخلوقات اس سلیقے سے منظم و مربوط ہیں کہ کائنات ایک سانچے میں ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور اسی وحدت میں خلاق عالم کی شان احدیت ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے- کائنات عالم کثرت ہے، جو اپنے حسن نظم سے اپنے اندر وحدت کو سموئے ہوئے ہے ، جو اس کی ضد ہے - شیخ کے بقول خدا کی یکتائی Oneness of God عام نگاہوں سے کائنات کی اسی وحدت و کثرت میں گم ہو کر رہ گئی ہے- یہاں ممکنہ طور پر گم ہونے کے کئی معنی ہو سکتے ہیں- (۱) حلول: خدا کائنات میں حلول کیے ہوئے ہے- (۲) اتحاد و عینیت: خدا کا وجود عین وجود کائنات ہے- (۳) اتصال : خدا کا وجود کائنات کے وجود سے متصل و مربوط ہے - (۴) حجاب: کائنات نے انسانی نظروں اور عقلوں کے سامنے حجاب اور پردہ بن کر خدا کے

شعور و ادراک کو مشکل کر دیا ہے- (۵) انسان کائنات کی کثرت میں کھو کر خدا کی احدیت سے غافل ہو گیا ہے-لیکن یہاں ابتدائی تینوں معانی کا مراد لیا جانا درست نہیں، کیوں کہ شیخ نے ''مثال'' کے ذیل میں اپنے ۱۹ اشعار کے ذریعے بطور خاص ان تینوں معانی کی تردید کر دی ہے-فرماتے ہیں:

بے حلول و اتحاد و اتصال
حاصل ہے اس کو وصال ذو الجلال

یہی وہ تین باطل معانی ہیں جن کا شبہ ناقدین تصوف کے ذہن میں نظریۂ وحدۃ الوجود کو مشکوک ٹھہراتا ہے-

۴ ارشاد خداوندی ہے: كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمٰن:۲۹) ہر دن اس کی ایک نئی شان ہے-

۵ ہر سانس جو آتی ہے اور جاتی ہے خالق و مالک کے وجود کی شہادت دیتی ہے- یہ اس حقیقت کا برملا اعتراف ہے کہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ-فلسفے کی زبان میں ہر آن حدوث و تغیر ہے جس کے لیے محرک و محدث لازم و ضروری ہے......ع

کوئی تو ہے جو نظام ہستی چلا رہا ہے، وہی خدا ہے

۶ آنکھ والے سورج کو اس وقت بھی برہنہ دیکھتے ہیں جب وہ بادلوں کی اوٹ میں ہو یا وہ گھر کے اندر بیٹھے ہوں، مگر بے نور نگاہیں تو ہمیشہ شاکی رہتی ہیں- انہیں صرف پردہ نظر آتا ہے، اس کے پیچھے سے چھنتی ہوئی روشنی اور ان تجلیات کا منبع نظر نہیں آتا -ایسے لوگ لاشعوری طور پر خدا کی صفت ظاہریت (هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ -الحدید:۳) کے منکر ہیں-

۷ کائنات اسی کے نور سے تخلیق پائی ہے- یہ اسی کا نور و ظہور ہے- ظاہر و باطن اسی کی شان ہے-

۸ دریا کا وجود موج دریا سے ظاہر ہے-موج دریا، دریا نہیں ہے اور یہ بھی عجیب ہے کہ موج سے ہٹ کر الگ سے دریا کا کوئی اپنا نام و نشان بھی نہیں ہے- وجود حقیقی اور وجود

ظلی کی یہ نہایت بلیغ تشبیہ ہے۔

۹۔ ارشادِ ربانی ہے: **اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُورِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ (النور:۳۵)**'' اللہ آسمان وزمین کا نور ہے۔اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ ہو، چراغ فانوس میں ہو اور وہ فانوس ایک چمکتے موتی کے ستارے کی مانند ہو۔'' چراغ کے چاروں طرف روشنی ہے۔وہ اس روشنی میں گھرا ہوا معلوم ہو رہا ہے جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ جو روشنی چاروں طرف بکھری پڑی ہے یہ اسی نور (چراغ) کا عکس ہے۔نورِ الٰہی کی یہ حقیقی تشبیہ نہیں ہے بلکہ تقریبِ فہم کے لیے ایک سادہ مثال ہے۔ویسے یہ حقیقت تو واضح اور متعین ہے کہ اس کائنات کی تخلیق کسی پیش افتادہ قدیم مادے سے نہیں ہوئی ہے جیسا کہ گمراہ فلاسفہ کا مذہب ہے۔متکلمین اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ تخلیق عدم سے ہستی کی طرف ایک ناقابل تصور سفر ہے جس کا محرک صرف اور صرف منشائے الٰہی ہے۔وجود کی ایک نئی کرن اسی کے نور سے پھیلی۔کائنات کا نور وہی ہے۔لیکن کائنات کو خالق کے ساتھ مادی نسبت نہیں ہے، کیوں کہ اس کی ذات غیر مادی ہے۔تقریب فہم کے لیے سورج اور اس کی کرنوں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔وادی و کہسار، ہر جگہ سورج کی جلوہ فرمائی ہے مگر درحقیقت سورج زمین پر کہیں بھی نہیں ہے۔لوگ سورج کی تپش سے سائے کی طرف بھاگ رہے ہیں، حالاں کہ جہاں سے وہ بھاگ رہے ہیں در حقیقت وہاں سورج کا مادی وجود نہیں ہے۔

۱۰۔ ایک قسم کی فاختہ

۱۱۔ بلبل

۱۲۔ اس عالم کثرت کا منبع نور، وحدت ہے۔روشنی ایک نکلتی ہے مگر چیزیں مختلف رنگ کی نظر آتی ہیں۔

۱۳۔ تمام موجودات فانی، عارضی، ممکن، چند لمحاتی، وجود حقیقی کا مظہر، اس کی تخلیق، عکس، ظل اور اس کی ثنا خواں ہیں۔تعمق نظر سے واضح ہوتا ہے کہ وجود حقیقی صرف رب العالمین کا

ہے، بس! صحابی رسول اور جاہلی شاعر حضرت لبید بن ربیعہ فرماتے ہیں:

الا کل شئ ما خلا الله باطل

۱۴۔ مسجود بھی اسی کی ذات ہے اور سجدہ گاہ اور جہت قبلہ سب اسی کے وجود کا پرتو، ظل اور اسی کے تعینات و مظاہر میں سے ایک تعین اور مظہر ہے۔

۱۵۔ اپنی ذات کی سب سے زیادہ حمد کرنے والی فقط اسی کی ذات ہے اور اسی کی ذات محمود بھی ہے۔قرآن کی پہلی آیت **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** کو سامنے رکھیے تو بات پوری طرح واضح ہو جائے گی۔اس آیت میں ذات باری خود اپنی حمد بیان کر کے خود ہی حامد اور محمود بن گئی ہے۔پھر یہ دیکھیے کہ اس کی ذات کی حمد اس سے بہتر کوئی اور نہیں کر سکتا، نیز یہ کہ یہ کلام اس کی ذات کی صفت اور اس کی دوسری صفات کی طرح ازلی اور قدیم ہے۔اس طرح وہ ذات اقدس اس وقت بھی اپنی حامد تھی جب کچھ بھی نہ تھا اور اس وقت بھی اپنی حامد رہے گی جب کچھ بھی نہ رہے گا۔ثابت ہوا کہ احمد یعنی سب سے زیادہ حمد کرنے والی ذات اسی کی ہے۔جل جلالہ پھر حمد کرنے والی مخلوقات جن و بشر، حور و ملک اور شجر و حجر کی بات کیجیے تو ان کی طرف سے ہونے والی حمد بھی درحقیقت اللہ کی طرف سے ہی ہے، کیوں کہ لفظ و معنی سے لے کر قوت بیان تک ان کا اپنا کچھ بھی نہیں ہے۔سب اللہ کا، اللہ کی طرف سے اور اللہ کے لیے ہے۔

۱۶۔ اس کی ذات خود اپنی شہادت ہے، وہی شاہد ہے اور وہی مشہود۔**شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ** (آل عمران:۱۸) اللہ شاہد ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

۱۷۔ اس کا وجود اس کی ذات کا غیر نہیں ہے۔اس کی ذات بذات خود موجود ہے، اس کی نہ کوئی علت ہے اور نہ ہی کوئی اس کا سبب ہے۔لہٰذا اسی کی ذات وجود مطلق ہے، وہ بالذات موجود ہے اور اس کو وجود دینے والا کوئی غیر نہیں، اسی کی ذات منبع وجود مطلق و متعین ہے۔

۱۸۔ حدیث قدسی کنت کنزاً مخفیاً کی طرف اشارہ ہے، جس پر گفتگو ہو چکی۔

۱۹۔ شیخ کی اپنی تشریح کے مطابق اس سے مراد لفظ محمد کے لغوی معنی ہیں، یعنی وہ ذات جس کی سب سے زیادہ تعریف ہو۔ظاہر ہے اس معنی میں خدا کی ذات کے سوا محمد کوئی دوسرا

ہو ہی نہیں سکتا- یہاں محمد سے مراد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک نہیں، جیسا کہ اول نظر میں اس کا گمان ہوتا ہے- لیکن نظریۂ وحدۃ الوجود کے ضمن میں صوفیہ نے تعینات کی جو بحث کی ہے، اس کو سامنے رکھیے تو اس امکان کو بھی یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا- اس کے مطابق حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس ذات کے تعینات و مظاہر میں تعین اول اور مظہر کامل ہے- لیکن اس بحث کو صوفیہ نے احوال میں شامل کیا ہے جسے اقوال سے نہیں سمجھا جا سکتا- تقریب فہم کے لیے یہاں صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کے اندر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو نور خدا کہا گیا ہے- حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہی خدا کی اولین تخلیق اور اس کی صفت خالقیت کے مظہر اول ہیں- یہ بات بھی طے ہے کہ یہ تخلیق کسی پیش افتادہ مادے سے نہیں ہوئی، لہٰذا ثابت ہوا کہ حقیقت محمدیہ ﷺ نور حق، مظہر حق اور جلوۂ حق ہی ہے- حقیقت محمدی کا وجود جلوۂ ذات حق سے الگ نہیں ہے- اسی بات کو صوفیہ نے احوال و مکاشفات سے سمجھنے کے بعد اپنی مخصوص اصطلاح میں بیان کیا ہے- اس تشریح کی روشنی میں ''وحدت'' کے ذیل میں کہے گئے دوسرے اشعار کو بھی سمجھا جا سکتا ہے-

نورِ ظہورِ ذات کا بیان

۱۔ اللّٰهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (النور:۳۵) اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے-

۲۔ قرآن مقدس میں واقعۂ طور بڑے ہی دل نشیں انداز میں بیان ہوا ہے- ''اور جب موسیٰ ہمارے وقت معین پر آیا اور اس کے رب نے اس سے کلام فرمایا، موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! تو مجھے اپنے آپ کو دکھا کہ میں تجھے دیکھوں- اس کے رب نے کہا: تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا، لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ، اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہر جائے تو تو مجھے دیکھ لے گا- تو جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی، اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ مدہوش ہو کر گر پڑا-'' (الاعراف:۱۴۳) شیخ اس پورے واقعے کو واقعۂ ظہور نور حق کے طور پر دیکھتے ہیں- طور، جلوہ گاہ نور، حضرت موسیٰ کی طلب، مطالبۂ دیدار نور، خدا کی

طرف سے انکار رویت، ناز و ادائے نور اور زیارت جلوۂ نور کے بعد حضرت موسیٰ کی مدہوشی، سرورِ نور ہے-

۳۔ صوفیہ نے منصور کے قول انا الحق کی ایک بلیغ توجیہ یہ کی ہے کہ وہ نور الٰہی کا ایک جلوہ تھا جس کے مشاہدے کے بعد منصور بے خود ہو کر انا الحق پکار اٹھے- جس طرح شجر طور سے یہ آواز آئی تھی إِنَّنِي أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا (طٰہٰ:۱۲) اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ طور کے اس شجر پر ذات باری تعالیٰ متحیز ہو گئی تھی، بلکہ وہ اس کے نور کی ایک معمولی جھلک تھی اور اگر نور حق کی ایک جھلک درخت پر آ سکتی ہے تو کسی انسان پر کیوں نہیں آ سکتی جو اشرف المخلوقات ہے؟ صاحب گلشن راز شیخ محمود شبستری کا شعر ہے:

روا باشد انا اللہ از درختے　　چرا نہ بود روا از نیک بختے

دیوبندی مسلک کے مشہور عالم مولانا انور شاہ کشمیری نے واقعہ طور (القصص:۳۰) کے ذیل میں لکھا ہے: ''دکھائی یہ دے رہا تھا کہ درخت کلام کر رہا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کلام کی اپنی طرف نسبت فرمائی، کیوں کہ اللہ جل مجدہ نے اس درخت میں تجلی فرمائی تھی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے وہ درخت واسطہ بن گیا تھا، تو جس میں تجلی کی گئی تھی اس نے تجلی کرنے والے کا حکم لے لیا اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ تجلی میں صرف صورت نظر آتی ہے- اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرورت کی وجہ سے آگ میں (یا درخت میں) تجلی فرمائی تھی اور جب تم نے تجلی کا معنی سمجھ لیا تو سنو! جب درخت کے لیے یہ جائز ہے کہ اس میں یہ ندا کی جائے کہ بے شک میں اللہ ہوں تو جو نوافل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے، وہ اللہ کی سمع و بصر کیوں نہیں ہو سکتا؟ وہ ابن آدم جو صورت رحمٰن پہ پیدا کیا گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درخت سے کم تو نہیں، یعنی جب شجر موسیٰ اللہ کی صفت کلام کا مظہر ہو سکتا ہے تو سیدنا محمد ﷺ کی امت کا ولی جو اللہ کا محبوب ہو جائے، وہ اللہ کی صفت سمع و بصر کا مظہر کیوں نہیں ہو سکتا؟''
(فیض الباری:۴/ ۴۲۹، بحوالہ تبیان القرآن: ۵/ ۴۱۹، فرید بک اسٹال، لاہور، ۲۰۰۳)

حضرت منصور کے قول انا الحق کی طرح ہی حضرت بایزید بسطامی کا قول

سبحانی مااعظم شانی بھی اہل علم کے بیچ متنازع رہا ہے-یہ بھی صوفیہ کے اسی قسم کے اقوال سے ہے جس کا ظاہر خلاف شریعت ہے-اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی اس طرح کے اقوال پر گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''حضرت سیدنا بایزید بسطامی اور ان کے امثال ونظائر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وقت ورود تجلی خاص، شجرہ موسیٰ ہوتے ہیں-سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو درخت میں سے سنائی دیا: یَا مُوسیٰ إِنِّیۤ أَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ اے موسیٰ! بے شک میں اللہ ہوں رب سارے جہاں کا-کیا یہ پیڑ نے کہا تھا؟ حاشا اللہ! بلکہ واحد قہار نے جس نے درخت پر تجلی فرمائی اور وہ بات درخت سے سننے میں آئی-کیا رب العزت ایک درخت پر تجلی فرما سکتا ہے اور اپنے محبوب بایزید پر نہیں؟ نہیں نہیں وہ ضرور تجلی ربانی تھی ،کلام بایزید کی زبان سے سنا جاتا تھا، جیسے درخت سے سنا گیا اور متکلم اللہ عزوجل تھا -اسی نے وہاں فرمایا: یَا مُوسیٰ إِنِّیۤ أَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ (اے موسیٰ! میں اللہ ہوں رب سارے جہاں کا-ت) اسی نے یہاں بھی فرمایا: **سبحانی مااعظم شانی** (میں پاک ہوں اور میری شان بلند ہے-ت) اور ثابت ہو تو یہ بھی کہ **لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم** (میرا جھنڈا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے-ت) بے شک لواء الٰہی لواء محمدی سے ارفع واعلیٰ ہے-حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی نے مثنوی شریف میں اس مقام کی خوب تفصیل فرمائی ہے اور تسلط جن سے اس کی توضیح کی ہے کہ انسان پر ایک جن مسلط ہو کر اس کی زبان سے کلام کرے اور رب عزوجل اس پر قادر نہیں کہ اپنے بندے پر تجلی فرما کر کلام فرمائے جو اس کی زبان سے سننے میں آئے، بلا شبہ اللہ قادر ہے اور معترض کا اعتراض باطل، اس کا فیصلہ خود حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہو چکا-ظاہر بینوں بے خبروں نے ان سے شکایت کی کہ آپ **سبحانی مااعظم شانی** کہا کرتے ہیں، فرمایا: حاشا میں نہیں کہتا، کہا آپ ضرور کہتے ہیں، ہم سب سنتے ہیں ،فرمایا: جو ایسا کہے واجب القتل ہے-میں بخوشی تمہیں اجازت دیتا ہوں جب مجھے

ایسا کہتے سنو بے دریغ خنجر مار دو، وہ سب خنجر لے کر منتظر وقت رہے یہاں تک کہ حضرت پر تجلی وارد ہوئی اور وہی سننے میں آیا **سبحانی مااعظم شانی** مجھے سب عیبوں سے پاکی ہے میری شان کیا ہی بڑی ہے-وہ لوگ چار طرف سے خنجر لے کر دوڑے اور حضرت پر وار کیے، جس نے جس جگہ خنجر مارا تھا خود اس کے اسی جگہ لگا اور حضرت پر خط بھی نہ آیا، جب افاقہ ہوا دیکھا لوگ زخمی پڑے ہیں، فرمایا: میں نہ کہتا تھا کہ میں نہیں کہتا وہ فرماتا ہے جسے فرمانا بجا-

(فتاویٰ رضویہ:۱۴/ ۶۶۵، ۶۶۶، برکات رضا پوربندر)

۴ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا مشہور معجزہ مردے زندہ کرنا ہے-مگر کیا سچ مچ مردوں کو حضرت عیسیٰ زندگی بخشتے تھے؟ اگر کوئی ایسا عقیدہ رکھتا ہے تو اس سے بڑا مشرک کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا-زبان ان کی ہوتی تھی کلام اللہ کا ہوتا تھا-وہ آلہ تھے، فاعل حقیقی اللہ تھا-دست مسیحائی کے پیچھے نور الٰہی کی جلوہ فرمائی تھی-

۵ حضرت شمس تبریزی کی محویت، مشاہدۂ تجلیات نور حق کے باعث تھی اور اسی کا اثر تھا کہ زبان شمس سے نکلے ہوئے الفاظ حقیقت واقعہ میں تبدیل ہو جاتے-شمس تبریزی کی زبان میں اپنی ذاتی تاثیر نہیں تھی بلکہ وہ ربانی تاثیر تھی-جو ذاتی تاثیر کا قائل ہو وہ موحد نہیں، مشرک ٹھہرے گا-

كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيّاً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْق

۱ اس حدیث کے حوالے سے گفتگو پیچھے ہو چکی ہے-

۲ عشق محبت کی شدید ترین اور انتہائی شکل ہے-**والذین آمنوا اشد حباً للّٰہ** (اہل ایمان کو اللہ سے گہری محبت ہے-البقرہ:۱۶۵) اسی لیے اس کا کامل تعلق اس ذات سے ہے جو جمال مطلق ہے-(**ان اللہ جمیل یحب الجمال** -مسلم، ایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ/ احمد ابن حنبل، عن ابن مسعود، حدیث:۳۷۸۹) شیخ نے اپنے کلام میں اس کو بہت ہی وسیع مفہوم میں لیا ہے-ان کے مطابق کائنات کی تخلیق جو امر الٰہی کن سے ہوئی، اس کے پس پردہ بھی عشق ہی کی جلوہ گری تھی-خدا کو اپنی خدائی کا اظہار محبوب تھا

،جس کی تفصیل حدیث کنت کنزاً مخفیاً الخ میں بیان ہوئی ہے- تمام مظاہر و کمالات کے ظہور کے پیچھے حضرت عشق کی ہی کارفرمائی ہے- پھر اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ مخلوقات و مظاہر میں عشق مطلوب ہے- جب ان میں ظہور عشق ہوتا ہے تو کفر بھی ایمان بن جاتا ہے- پھر عشق کا جلوہ ہمہ گیر و ہمہ جہت ہو جاتا ہے- بقول عارف رومی:

در نگنجد عشق در گفت و شنید
عشق دریا ئیست قعرش نا پدید

مولانا جامی نے کہا:

ہست بے صورت جناب قدس عشق
لیک در ہر صورتے خود را نمود

اقبال نے اس صورت کی قدرے توضیح کی:

عشق دم جبرئیل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام

اور شیخ کے لفظوں میں:

حامل راز خدائی عشق ہے   اور سر مصطفائی عشق ہے

۳؎ ارشاد باری ہے: إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ -(الاحزاب:۷۲) ''ہم نے اپنی امانت آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے وہ ڈرنے لگے اور انسان نے اسے اٹھالیا-'' حضرت اسماعیل حقی علیہ الرحمہ اور دوسرے صوفی مفسرین نے اس آیت میں امانت سے مراد عشق بھی لیا ہے-

۴؎ عشق تین حروف سے بنا ہے- ع،ش،ق-ق قربیت کی تعبیر ہے،ش شہادت کی اور ع عینیت کی- محبوب کے ساتھ قربیت سے عشق کا آغاز ہوتا ہے- یہ قربیت محبوب کی رویت و مشاہدہ میں بدل جاتی ہے اور پھر وہ مقام آتا ہے جب محبوب و محبّ میں

غیریت کا تصور باقی نہیں رہتا- یہ مقام عینیت ہے- اس مقام پر محبوب و محبّ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے ذات اور اس کا وجود- ان میں کسی غیریت کا تصور نہیں کیا جا سکتا-

۵؎ شجر ممنوعہ کا پھل کھایا جاتا ہے، شجر طور سے انا اللہ کی آواز آتی ہے، بندہ انا الحق کا ورد کرتا ہے اور اہل نظر ان سب کو عین اسلام سمجھتے ہیں- ایک دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ اپنی زبان سے معبودان باطل کا انکار کرتے ہوئے لا الٰہ کا ورد کرتا رہتا ہے لیکن یہ انکار اس وقت ایمان بن جاتا ہے جب یہ ورد پورے عشق و ایقان کے ساتھ ہو، صرف زبانی وظیفے کے طور پر نہ ہو- بغیر عشق و یقین کے لا الٰہ الا اللہ کا ورد بظاہر ایمان اور در حقیقت کفر ہے- اور ایک تیسرا معنیٰ یہ ہے کہ عشق جب بڑھ کر جوان ہو جاتا ہے تو کفر بمعنیٰ فنائیت کی منزل آتی ہے اور بندہ ماسوی اللہ کا انکار کر کے قرب کے مقام خاص میں داخل ہو جاتا ہے جو عین ایمان ہے- اقبال نے اسی مفہوم کو اس طرح اپنے مخصوص لب و لہجے میں ادا کیا ہے:

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی   نہ ہو تو مرد مسلماں بھی کافر و زندیق

نعت حقیقت محمدی

۱؎ اولین و آخرین کے لیے محترم- یا یہ مطلب ہے کہ فرشتوں کا مسجود الیہ نور محمدی تھا جیسا کہ اس کی طرف بعض مفسرین گئے ہیں- یا ممکن ہے یہ مفہوم ہو کہ خانۂ کعبہ جو اولین و آخرین کا قبلہ ہے یہ خود حقیقت محمدی کے مظاہر سے ایک مظہر ہے جیسا کہ امام احمد رضا بریلوی نے اپنے ایک فتویٰ میں لکھا ہے کہ ''حقیقت کعبہ مثل حقائق جملہ اکوان، حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ و التحیۃ کی ایک تجلی ہے- کعبہ کی حقیقت وہ جلوہ ہے مگر وہ جلوہ عین حقیقت محمدیہ نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، بلکہ اس کے غیر متناہی ظلال سے ایک ظل-'' (فتاویٰ رضویہ: ۳۰/۸۵)

۲؎ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: اوحی اللّٰہ الیٰ عیسیٰ علیہ السلام: یا عیسیٰ آمن بمحمد و امر من ادرکہ من امتک ان یومنوا بہ

فلولا محمد ماخلقت آدم و لولا محمد ما خلقت الجنة و لا النار
''حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے عیسیٰ! محمد پر ایمان لاؤ اور تمہاری امت میں جوان کا زمانہ پائیں ان کے لیے حکم دو کہ وہ بھی محمد پر ایمان لائیں، کیوں کہ اگر محمد نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا، بلکہ محمد نہ ہوتے تو میں جنت و دوزخ کو بھی پیدا نہ کرتا۔''

(مستدرک، کتاب تواریخ المتقدمین، ذکر اخبار سید المرسلین، حدیث: ۴۲۲۷)

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم: لما اقترف آدم الخطیئة قال یا رب اسالک بحق محمد لما غفرت لی- فقال: یا آدم و کیف عرفت محمداً و لم اخلقه؟ قال: یا رب لانک لما خلقتنی بیدک و نفخت فی من روحک، رفعت راسی فرایت علی قوائم العرش مکتوباً لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ فعلمت انک لم تضف الیٰ اسمک الا احب الخلق الیک- فقال اللّٰه: صدقت یا آدم انه لاحب الخلق الی، ادعنی بحقه فقد غفرت لک و لولا محمد ما خلقتک ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدم سے لغزش سرزد ہوگئی تو انہوں نے کہا: اے مولیٰ! میں محمد کے وسیلے سے تجھ سے اپنی معافی کا طلب گار ہوں- اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد کو کیسے جانا جب کہ میں نے تو انہیں ابھی پیدا بھی نہیں کیا؟ آدم نے عرض کیا: اے مولیٰ! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا- اس وقت میں نے عرش کے ستونوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا: لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ- مجھے یقین ہوگیا کہ یقیناً تو نے اپنے سب سے بڑے محبوب کا نام ہی اپنے نام کے ساتھ ملایا ہوگا- اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم تم نے سچ کہا- یقیناً محمد کائنات میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں- ان کے وسیلے سے دعا کرو تو میں بخش دوں گا- اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ

کرتا- (ایضاً، حدیث: ۴۲۲۸)

حدیث لولاک کو اختلاف الفاظ کے ساتھ بے شمار علما نے اپنی اپنی کتابوں میں متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے، جس کے بعد اس میں کسی طرح کا کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین ہی نہیں باعث تخلیق عالمین بھی ہیں-

۳۔ مسجود الیہ اور قبلہ، جیسا کہ سجدہ آدم کے باب میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اصل مسجود الیہ نور محمدی تھا- نیز سجدہ کے لغوی معنی اطاعت وخضوع کے ہیں- اس اعتبار سے مسجود کے معنی مخدوم ومطاع کے ہوئے- امام احمد رضا بریلوی نے اپنے ایک فتویٰ میں لکھا ہے: ''مسجود بمعنٰی مخدوم ومطاع، یہ خود مشہور معنٰی ہیں اور عام محاورہ میں مستعمل، مگر عناد کا کیا علاج؟''

(فتاویٰ رضویہ: ۲۲/ ۴۹۵، برکات رضا پور بندر)

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من رآنی فقد رأی الحق** (صحیح مسلم، کتاب الرؤیا) جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا-

۵۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت قرآن ناطق ہے- حضرت عائشہ سے کسی نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کے بارے میں سوال کیا- آپ نے فرمایا: ''رسول کریم ﷺ کا اخلاق قرآن تھا-'' **فان خلق نبی اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم کان القرآن** (صحیح مسلم، صلوٰۃ المسافرین، باب جمع صلوٰۃ اللیل ومن نام عنہ)

۶۔ **قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُوراً مُّبِيناً** (النساء: ۱۷۵) تحقیق کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے برہان آیا اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل فرمایا-

۷۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا لقب روح اللہ ہے اور ان کی تخلیق بھی حقیقت محمدی کی رہین منت ہے- اس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات روح روح اللہ ہوئی-

۸۔ **هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** - (الحدید: ۳)

اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ اسی کو اقبال نے کہا ہے:

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر — وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسں وہی طٰہٰ

۹ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کو اگر مستقل و بالذات وجود باور کر لیا جائے تو پھر دو متوازی وجود کا ثبوت ہوگا، جو شرک جلی ہے۔ حقیقی وجود صرف ایک وجود ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمٰن:۲۶،۲۷) زمین کی ساری چیزیں فانی ہیں، باقی صرف ذات ذوالجلال والاکرام ہے۔ لا الٰہ الا اللہ درحقیقت لاموجود الا اللہ کا اعلان ہے، کیوں کہ اگر دو متوازی وجود ہوں تو لازمی طور پر ان میں سے ہر ایک معبود ہونے کا مستحق ٹھہرے گا۔ وجود دو مستقل ہوں اور معبود صرف ایک ہو، ترجیح بلا مرجح اور ناقابل فہم منطق ہے۔ اس لیے کلمہ توحید میں ایک معبود کے سوا سارے معبودوں کی نفی کے ساتھ بالواسطہ طور پر ایک وجود حقیقی کے سوا تمام حقیقی موجودات اور وجودات کی نفی ہے۔

۱۰ یعنی خدا نے — ۱۱ یعنی نور محمدی

۱۲ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نور من نور اللہ ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ نور الٰہی اور نور محمدی میں جزئیت کا رشتہ ہے اور نہ کوئی ایسا رشتہ جس کا ادراک عقل انسانی کر سکے۔

۱۳ نور خدا مقام تنزیہ میں ہے۔ وہ ہر مثال و مثالیت سے پاک ہے۔ اس کی تفہیم کے لیے جو مثالیں قرآن و حدیث میں وارد ہیں وہ صرف برائے تفہیم ہیں۔ ان کی حیثیت واقعی مثال کی نہیں ہے۔ نور الٰہی سے نور محمدی کا ظہور ہوا، یہ تشبیہی ظہور تھا۔ اس کے اندر مخلوقیت اور شکل و صورت تھی۔ یہ دونوں باتیں اپنی جگہ محکم اور قطعی ہیں۔ غلط فہمی اور گمراہی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ہم نور الٰہی اور نور محمدی کے درمیان عقلی نسبت یا مادی رشتہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ عقل غیر مادی امور کے ادراک سے عاجز و حیران ہے۔ امام ابوالحسن اشعری کا ارشاد ہے: **انہ تعالیٰ نور لیس کالانوار والروح النبویۃ القدسیۃ لمعۃ من نورہ والملائکۃ**

شرر تلک الانوار "اللہ تعالیٰ نور ہے مگر وہ عام انوار کی طرح نہیں ہے اور روح قدس نبوی اللہ کے نور کی ایک چمک ہے اور فرشتے انہی انوار کے شرارے ہیں۔"

(مطالع المسرات، الحزب الثانی، ص:۲۶۵، بحوالہ فتاویٰ رضویہ:۳۰/۶۶۰)

۱۴ اللہ کی شان باقی ہے۔ وہ بالذات باقی ہے اور کائنات کی بقا بھی اسی کی بقا سے وابستہ ہے۔ کائنات کا کوئی ذرہ تجلی ربانی اور ارادۂ باری کے بغیر قائم و باقی نہیں ہے۔ خدا کائنات کا صرف خالق Creater نہیں ہے بلکہ قیوم Sustainer بھی ہے۔ دوسرے یہ معنی ہیں کہ پوری کائنات خالق کی تجلیات ہے اور ہر تجلی میں متجلی کا ظہور ہوتا ہے، جیسے دھوپ میں سورج کا جلوہ، حرارت میں آگ کا ظہور اور برودت میں برف کا اثر، اس طرح صورتِ احمدی بھی اللہ کی ایک تجلی ہے بلکہ کامل ترین تجلی ہے اور جس طرح ہر تجلی میں متجلی کا ظہور ہوتا ہے اس میں بھی ہے۔ یہ شعر دعویٰ بالدلیل ہے۔ پہلے مصرع میں عظمت رسالت کے حوالے سے ایک دعویٰ کیا گیا ہے جس کی دلیل دوسرے مصرع میں فراہم کر دی گئی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ دعویٰ جزوی ہے اور دلیل کلی، جس کے اندر تمام جزئیات شامل ہوتی ہیں، ایسی صورت میں دعویٰ کی صحت میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔

۱۵ وجود محمدی کا قیام اگر حق تعالیٰ کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس کے وجود و بقا کے پیچھے غیر اللہ کی کارفرمائی ہو یا وہ بالذات موجود ہو تو اس عقیدے سے بڑا شرک اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس شعر کے یہ معنی قطعاً نہیں کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ خدا ہیں۔ تنگ نظر یہی معنی سمجھ لیتے ہیں اور صوفیہ پر طعن کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ آنے والے اشعار میں "مثال" کے ذیل میں اس قسم کے شبہات کا بھرپور ازالہ کر دیا گیا ہے۔ خصوصاً وجود احمدی میں حق کے موجود ہونے کے تصور کو اس شعر میں علمی و کلامی نقطۂ نظر سے بالکل واضح کر دیا گیا ہے:

یوں ہی احمد میں احد ہے خود نما — بے گماں، بے کیف، بے چون و چرا

فضائل آداب نبوی

۱ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی

یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی- شیخ ابن تیمیہ نے لکھا ہے: **ان جهة حرمة اللّٰه تعالیٰ ورسوله جهة واحدة فمن اذی الرسول فقد اذی اللّٰه ومن اطاعه فقد اطاع اللّٰه لان الامة لایصلون ما بینهم و بین ربهم الا بواسطة الرسول- لیس لاحد منهم طریق غیره ولا سبب سواه- وقد اقامه اللّٰه مقام نفسه فی امره ونهیه واخباره و بیانه فلایجوز ان یفرق بین اللّٰه و رسوله فی شیء من هٰذه الامور** -(الصارم المسلول علی شاتم الرسول، ص:۴۰، دارابن رجب ۲۰۰۳ء) ''اللہ اور اس کے رسول کی حرمت بالکل ایک ہے- جس نے رسول کو تکلیف پہنچائی اس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی- کیونکہ اس امت کے لوگ اپنے رب تک صرف رسول کے واسطے سے ہی پہنچ سکتے ہیں- کسی بھی فرد کے لیے طریق مصطفیٰ کے علاوہ کوئی دوسری راہ یا وسیلہ ہے ہی نہیں- اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو اوامر و نواہی اور بیان احکام میں اپنا قائم مقام بنا دیا ہے- اس لیے یہ جائز نہیں کہ ان امور کے تعلق سے اللہ اور رسول میں کسی طرح کی کوئی تفریق کی جائے-''

۲. **لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ** (الحجرات:۲) اپنی آواز نبی کی آواز سے اونچی مت کرو-

اطاعت و پیرویِ آں حضرت

۱. فیروز اللغات میں ہے: (بَنْ دَہْ) [ت-ا-مذ] (۱) غلام (۲) نوکر- ملازم (۳) نیازمند- خاکسار (۴) انسان -بشر- آدمی (۵) عابد- زاہد- سر جھکا دینے والا- حکم ماننے والا- جمع: بندگان- ابتدائی تینوں معنی یہاں درست ہیں- اسی طرح ''حکم ماننے والا'' کے معنی بھی یہاں درست ہیں- ارشاد خداوندی ہے: **مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ** (النساء:۸۰) ''جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا-''

۲. اتباع رسول کے بغیر ولایت کا تصور حماقت ہے- تمام علماے اسلام کا اس پر اتفاق

ہے- چوں کہ حق کی رسائی صرف اتباع رسول کے واسطے سے ہی ممکن ہے- اب یہ اتباع جس قدر بڑھتا جائے گا، ظاہر و باطن سنورتے جائیں گے اور انسان مسلمان سے مومن، متقی اور پھر مقامات ولایت سے گزرتے ہوئے مقام عبدیت تک پہنچ جائے گا-

۳. **وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا** (الکھف:۲۸) اور اس کا اتباع نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے، جو اپنی خواہشات کا بندہ ہے اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے-

۴. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **العهد الذی بیننا و بینهم الصلوٰة، فمن ترکها فقد کفر** (مشکوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ، الفصل الثانی، بحوالہ احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) ''ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان وجہ امان نماز ہے- جس نے نماز چھوڑ دی وہ اسلام سے باہر چلا گیا-'' ایک دوسری حدیث ہے: **لا تترک صلوٰة مکتوبة متعمداً فمن ترکها متعمداً فقد برئت منه الذمة** ''قصداً فرض نماز مت چھوڑو، جس نے قصداً فرض نماز چھوڑی وہ اللہ کی پناہ سے نکل گیا-'' (ایضاً بحوالہ ابن ماجہ)

۵. حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: بدعت سے مراد وہ اعتقاد ہے جو اہل سنت و جماعت کے خلاف ہو- (فتح الباری:۲/۲۷۹) علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں: بدعت محرمہ یا ضالہ وہ نیا کام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے خلاف اور اس کا مغیّر ہو اور اس کی بنیاد کسی شبہ پر ہو اور اس کو دین قویم اور صراط مستقیم بنا لیا جائے- (ردالمحتار:۲/۲۵۶، بیروت)

۶. **من تمسک بسنتی عندفسادامتی فله اجر مأة شهید** (مشکوٰۃ، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثانی) میری امت میں فساد آ جانے کے وقت جس نے میری سنت کو مضبوطی سے تھام لیا اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے-

عظمت و رفعتِ آنحضرت

۱. بکواسی، بیٹھا باتیں بنانے والا-

۲۔ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ (المائدہ:۱۵) مصنف ابن عبدالرزاق کی روایت کردہ حدیث جابر سے بھی اس کی توثیق ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انا من نور اللہ اس حدیث کی علمانے بالعموم تضعیف کی ہے مگر مذکورہ آیت قرآنی سے اس مفہوم کی تائید ہوجاتی ہے۔

۳۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ (النجم:۱۷،۱۸) نہ آنکھ جھپکی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔ بے شک اس نے اپنے رب کی عظیم نشانیاں دیکھیں۔

۴۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ (النجم:۹) اب فاصلہ دو کمان کا یا اس سے بھی کم رہ گیا۔

تواضع باوجودِ رفعت وعظمتِ آنحضرت

۱۔ جیسا کہ بایزید بسطامی رسول اللہ ﷺ کی بہ نسبت اپنے معمولی محاسن وجمالیات کو دیکھ کر بول اٹھے، **سبحانی ما اعظم شانی** جب کہ کائنات میں بعد از خدا رسول کی ذات ہی سب سے زیادہ محترم، محتشم اور جامع کمالات ہے۔ وہ باعث تخلیق، برزخِ کبریٰ اور نور اول ہیں لیکن اس کے باوجود اپنی عظمتوں پر انہیں پورا ضبط رہا اور تواضع اور عبدیت کا دامن ہمہ دم تھامے رہے۔

۲۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ (الکہف:۱۱۰) آپ کہہ دیں میں تمہارے ہی طرح بشر ہوں، میرے پاس وحی آتی ہے۔

شانِ بشریت کا بیان

۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حق تبارک وتعالیٰ کے اسمائے ذاتیہ سے پیدا کیے گئے ہیں اور اولیائے کرام اسمائے صفاتیہ کی مخلوق ہیں۔ بقیہ ساری کائنات صفات فعلیہ سے پیدا ہوئی ہے۔ سیدالمرسلین صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین ذات حق سے مخلوق ہیں اور ظہور حق آپ میں بالذات ہے۔'' (مدارج النبوۃ:۲/۱۰۵۰)

برزخِ کبریٰ کا بیان

۱۔ ارباب معنی حقیقت محمدی کو خالق ومخلوق کے درمیان برزخِ کبریٰ کہتے ہیں، کیوں کہ وہی تخلیق اول اور نور اول ہے جس سے پوری کائنات کی تخلیق عمل میں آئی ہے۔ وہ تخلیق کا نقطہ آغاز ہے، جس کا ایک سرا خالق سے متصل ہے تو دوسرا مخلوق سے۔ ع

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجموعہ عالم ہیں۔ اس لیے کہ آپ کی روح مقدس عقل اول ہے اور تمام عالم اسی سے مخلوق ہے۔ لہٰذا صرف حضور اکرم کی قابلیت تمام موجودات کی قابلیتوں کے برابر ہوگی۔ آپ مستفیض اول اور مفیض ثانی ہیں اور ذاتی فیض قدس سب سے پہلے آپ ہی کی جانب متوجہ ہے۔ لہٰذا آپ تمام موجودات کے کل ہیں اور آپ ہی سے کل شئ ہے۔ وھوالکل۔ اور آپ ہی کل ہیں اور حق تبارک وتعالیٰ کل الکل۔'' (مدارج النبوۃ:۲/۱۰۶۳، مترجم)

۳۔ مشکوٰۃ المصابیح میں بخاری ومسلم کے حوالے سے ہے: **انا سید الناس یوم القیامۃ یوم یقوم الناس لرب العالمین**۔ (باب الحوض والشفاعۃ، الفصل الاول) ''قیامت کے دن جب لوگ ربّ کائنات کے حضور حاضر ہوں گے، میں سب کا سردار ہوں گا۔''

۴۔ **من رآنی فقد رای الحق** (مسلم، کتاب الرؤیا) جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا۔

۵۔ جیسے سورج کی کرنیں آئینہ میں اس طرح اتر آتی ہیں کہ آئینہ پر نظر ڈالنا اتنا ہی مشکل ہو جاتا ہے جتنا سورج پر نظر کرنا مشکل ہوتا ہے، آئینہ خود ہی سورج معلوم ہوتا ہے۔ ذات رسالت میں اسی طرح شان خداوندی کا بتمام وکمال ظہور ہے۔

۶۔ یہ بزم امکاں ذات واجب الوجود کے دست قدرت سے سجائی گئی ہے۔ یہ اسی ذات واجب کی قدرت بے پایاں کا ظہور ہے اور یہی حاصل توحید ہے۔ اس کے برخلاف تصور جیسا کہ بعض فلاسفہ کا خیال ہے، کھلی گمراہی اور شرک جلی ہے۔ ہاں! بعض صوفیہ

پر جب انوار وتجلیات ربانیہ کی بارش ہوتی ہے تو ممکن کا وہم وخیال ان کے پردۂ ذہن سے مٹ جاتا ہے اور وہ غلبۂ حال میں پکار اٹھتے ہیں کہ بس خدا ہی موجود ہے- اس کیف مغلوبی کا نام اصطلاح تصوف میں وحدۃ الوجود ہے-مخالفین گروہ صوفیہ اپنی کج فہمی یا تعصب کی وجہ سے اسے بنیاد بنا کر صوفیہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ صوفیہ خلق کو حق اور ممکن کو واجب کہتے ہیں حالاں کہ صوفیہ کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہوتا- وہ انسان کی عبدیت اور مخلوقیت پر پورا زور صرف کرتے ہیں جو اشرف المخلوقات ہے، چہ جائے کہ وہ شجر وحجر کو خدا کہنے لگیں-

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد　　　گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

عالم امکاں میں ذات واجب کے آپ جلوہ نما ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ نور الٰہی سے ہی نور محمدی کی تخلیق ہوئی اور پھر اس سے پوری کائنات ظہور پذیر ہوئی- یہ تخلیق کسی پیشگی موجود مادے سے عمل میں نہیں آئی ہے- یہ پوری کائنات ذات حق اور اس کی صفات کے کمالات وانعکاسات کا ظہور ہے، جس میں ظہور اول حقیقت محمدی کا ہے- اس کے برخلاف اس شعر کو اس طور پر سمجھنا کہ عالم عین ذات واجب ہے یا مخلوق ہی خالق ہے جیسا کہ وحدۃ الوجود کی غلط تشریح کرنے والے سمجھتے ہیں، کھلی گمراہی وبے دینی ہے-

آنحضرت ﷺ پر علوم غیبیہ کے انکشاف کا بیان

۱ **فعلمت ما فی السمٰوات والارض** ''تو میں نے زمین وآسمان کی ساری باتیں جان لیں'' (ترمذی، کتاب التفسیر:۲/۱۵۵) **فعلمت ما بین المشرق والمغرب** ''تو میں مشرق ومغرب کے بیچ کے سارے امور سے واقف ہوگیا-'' (ترمذی، کتاب التفسیر:۲/۲۱۰) **انا مدینۃ العلم** ''میں شہر علم ہوں'' (مستدرک، کتاب معرفۃ الصحابہ، ذکر اسلام امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ، حدیث:۴۲۳۷)

۲ علم غیب مصطفیٰ کے تعلق سے یہ ایسی نفیس توضیح ہے کہ اگر اسے نظر میں رکھا جائے تو تمام مناظرے اور جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں-

۳ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں، گویا جیسی آپ کی مرضی تھی آپ کے رب نے ویسا ہی آپ کو پیدا فرمادیا-

خلقت مبرأ من کل عیب　　　کأنک قد خلقت کماتشاء

۴ مسئلہ اس وقت پیدا ہوا جب ہم نبی کے علم کو اپنے خود ساختہ پیرامیٹر سے ناپنے کی سعی لاحاصل کرنے لگے اور یہ بھول گئے کہ نبی وہ بشر ہوتا ہے جس کا رشتہ ایک طرف عالم شہود سے ہوتا ہے تو دوسری طرف عالم غیوب سے-مگر ہمیں صرف وہی باتیں بتاتا ہے جو ہمارے لیے مفید ہوتی ہیں اور وہ باتیں نہیں بتاتا جو ہمارے لیے غیر نافع ہوں یا جن کا بتانا خلاف مصلحت ربانی ہو-

۵ **وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی إِنْ ھُوَ إِلَّا وَحْیٌ یُوحٰی** (النجم:۳،۴) ''اور وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے، وہ تو وہی کچھ کہتے ہیں جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے-''

۶ مصباح اللغات کا حوالہ صرف اس لیے ہے کہ یہ لغت اس گروہ کے ایک فرد کی تصنیف ہے جسے علوم رسول کو ناپنے کا شوق فضول ستاتا رہتا ہے-

۷ تمام ممکنہ صفات کمالیہ کا جامع

۸ اسی کے نور سے عالم امکاں کی تخلیق ہوئی

۹ اس کے بعد کے جو اشعار ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت ومخلوقیت کو صاف طور سے واضح کرتے ہیں اور ممکنہ اعتراضات کا دفع دخل مقدر کے طور پر جواب دے دیتے ہیں-

۱۰ **من رآنی فقد رای الحق** (مسلم، کتاب الرویا) جس نے مجھے دیکھا اس نے یقیناً حق کو دیکھا-

۱۱ احمد کا ''م'' مخلوقیت کی طرف اشارہ کرتا ہے- اسی سے خالق ومخلوق میں فرق واضح ہو جاتا ہے، ورنہ یکتائی وبے مثالی دونوں کی شان ہے، احد صفت خالقیت میں کامل وبے مثال ومنفرد اور احمد صفت مخلوقیت میں کامل وبے مثال ومنفرد-

۱۲ علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل ''میری امت کے علما بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں-'' محدثین نے لفظی طور پر اسے موضوع قرار دیا ہے، گوکہ اس کا مفہوم و معنی درست ہے، کیوں کہ دعوت دین کا پیغمبرانہ فریضہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علماے امت پر ہی عائد ہے- یہ اپنی دعوتی، اصلاحی، تبلیغی اور تجدیدی سرگرمیوں کے ذریعے کار نبوت انجام دے رہے ہیں- اس تناظر میں شریعت محمدی کے داعی و مبلغ ہونے کے سبب علماے امت یقینی طور پر انبیا کے وارث ہیں اور ان کی مثال بنی اسرائیل کے ان نبیوں کی سی ہے جو صاحبان شریعت نہیں تھے، بلکہ کسی صاحب شریعت رسول کے نائب اور اس کی شریعت کے مبلغ تھے-

۱۳ مطالع المسرات میں ہے: ''پیغمبر دو جہاں علیہ التحیۃ والثناء نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: اے ابوبکر! مجھے صحیح طور پر میرے رب کے سوا کوئی اور نہیں جان سکا- یا ابابکر لم یعلمنی حقیقۃ غیر ربی-'' (مطالع المسرات: ۱۲۹، بحوالہ فتاویٰ رضویہ: ۲۵۴/۳۰)

۱۴ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی اور قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰی صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی شان ہے-

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

شانِ اولیاء اللہ

۱ جن کی اپنی خواہشات فنا ہو چکی ہیں-

۲ اب وہ مرضی مولیٰ کے بغیر کچھ نہیں کرتے- انبیا، اولیا اور اصفیا کی شان امتیاز ہی یہ ہے کہ انھوں نے اپنی بشری خواہشات کو فنا کر دیا- ان کے حرکات و سکنات کی محرک مشیت الٰہی کے سوا کچھ اور نہیں ہوتی-

۳ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (الانفال: ۱۷) ''وہ خاک آپ نے نہیں پھینکی جب آپ نے پھینکی، بلکہ اللہ نے پھینکی''

۴ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح: ۱۰) ''جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں یقیناً وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے-''

۵ بشریت سے مراد انسان کی فطرت خطا ہے- فنا فی اللہ ہونے کے بعد مرد حق کی خواہشات کے بت ٹوٹ جاتے ہیں- اب حق کی مرضی اس کی مرضی بن جاتی ہے- یا یہ مطلب ہے کہ اسے اپنے وجود کی خبر نہیں ہوتی- وہ ہمیشہ یاد خدا میں ڈوبا ہوتا ہے- اسے اپنے وجود کا احساس تک نہیں رہتا- یا اس کا اشارہ اس مشہور حدیث کی طرف ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ بندہ نوافل کے ذریعے خدا سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ خدا اس کا دست و بازو اور نگاہ بن جاتا ہے، جس سے وہ پکڑتا اور دیکھتا ہے- صوفیہ اپنی مخصوص اصطلاح میں اس قرب کو قرب نوافل کہتے ہیں- اس میں بندے کے عمل کو اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بطور سبب و آلہ ہوتا ہے جس کے توسط سے بندہ اپنا عمل کرتا ہے- مقام قرب کا ایک درجہ اس سے بھی بلند ہے- اسے قرب فرائض کہتے ہیں- اس میں بندے کے عمل کو براہ راست خدا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور بندے کا ذکر بطور آلہ کے ہوتا ہے، جیسا کہ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ اور يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ جیسی آیات میں ہے- یہ آیات نبی کریم ﷺ کی بلندی قرب کے سلسلے میں وارد ہیں، جس کا ایک حصہ آپ ﷺ کے نائبین کو بھی عطا ہوتا ہے-

۶ شاخ ٹہنی، جو ایک درخت سے کاٹ کر دوسرے درخت میں لگاتے ہیں، یا کاٹی ہوئی وہ ہری شاخ جسے زمین میں پودا تیار کرنے کے لیے لگاتے ہیں، مثلاً آم کا پودا جو آم کی گٹھلی سے زمین سے نکلتا ہے، اس کو بار آور بنانے کے لیے اس کی ایک شاخ تراشتے ہیں اور اسے آم کے درخت کی کوئی شاخ تراش کر اس کے ساتھ ملا دیتے ہیں- اب تخمی پودا قلمی پودا میں تبدیل ہو جاتا ہے اور اس طرح اس میں پھل آنے لگتے ہیں- اولیاے کرام بیعت و نسبت کے ذریعہ اپنے اسلاف سے ہوتے ہوئے پیغمبر علیہ السلام سے جڑے ہوتے ہیں- اس طرح ان کی مثال تخمی پودے سے تبدیل ہو کر قلمی پودے کی ہوگئی ہے- وہ

بظاہر اپنے عہد کی پیداوار ہوتے ہیں لیکن بیعت و نسبت کے توسط سے سرچشمۂ نبوت سے سیراب ہوتے ہیں اور پھر ان سے وہی چشمۂ شیریں آگے کی طرف جاری ہوتا ہے-

اولیا کی عظمت کا بیان

۱۔ **العلماء ورثة الانبياء** (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، امام احمد، دارمی وغیرہ) علما انبیا کے وارث ہیں- ظاہر ہے کہ گروہ اولیا سے زیادہ کوئی دوسرا گروہ معارف و حقائق شریعت سے واقف اور دعوت و اصلاح امت کا علم بردار نہیں ہے، کیوں کہ یہ جماعت قدس، اسرار الٰہیہ کی محرم اور فیضان نبوت سے براہ راست و بالواسطہ استفادہ کرنے والی ہے-

۲۔ اولیاے کاملین حق کی آیات ہیں- کہا گیا ہے کہ ولی وہ ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آئے- حدیث پاک ہے **خيارکم الذين اذا راوا ذکر اللہ** "تم میں اچھے وہ ہیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آئے-" (شعب الایمان، ۷/۴۹۴، حدیث: ۱۱۰۰۸)

آداب شیخ کامل

۱۔ "میرا شیخ معمولی تنکا ہے مگر میرا اعتقاد میرے لیے کافی ہے"- یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اصل چیز شیخ سے مخلصانہ ارادت ہے- اس کے بغیر طالب کو کوئی فیض نہیں مل سکتا- اس بات کو پلٹ کر بھی کہا جا سکتا ہے "شیخ من بس و اعتقاد من خس است"، یعنی میرے اعتقاد کی کیا حیثیت اصل چیز تو شیخ کے فیوض و برکات کا سمندر ہے، اعتقاد سے جو کچھ ملتا ہے اسی سمندر کے چند قطرات ہوتے ہیں-

۲۔ **الشيخ فی قومه كالنبی فی امته** "شیخ اپنی قوم میں ایسے ہی ہوتا ہے جیسے نبی اپنی امت میں ہوتا ہے-" امام احمد رضا محدث بریلوی لکھتے ہیں: "دوسری حدیث **الشيخ فی قومه كالنبی فی امته** جسے ابن حبان نے کتاب الضعفاء اور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابو رافع سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا، اگرچہ امام ابن حجر عسقلانی اور ان سے پہلے ابن تیمیہ نے موضوع اور امام سخاوی نے باطل

کہا مگر صنیع امام جلیل جلال سیوطی سے ظاہر ہے کہ وہ صرف ضعیف ہے، باطل و موضوع نہیں-" (فتاویٰ رضویہ: ۲۱/۴۸۳،۴۸۳،۴۸۲، پوربندر، گجرات) اس حدیث کی صحت و ضعف سے قطع نظر یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ مشائخ کاملین وارثین نبوت ہوتے ہیں- وہ اتباع رسول کے توسط سے اپنے اخلاق و کردار سے کار نبوت انجام دیتے ہیں، کیوں کہ اب سلسلۂ نبوت منقطع ہو چکا ہے، اس لیے دعوت و اصلاح جو پیغمبرانہ عمل ہے، کو اس امت کے علما اور صلحا ہی نبی کی نیابت میں انجام دیں گے- اور **فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ** "اصحاب ذکر سے دریافت کرو اگر تمہیں علم نہیں ہے-" (الانبیاء: ۷) کے تحت عوام مسلمین کے لیے ان سے سوال کرنا اور **أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ** "اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور اپنے امیر کی اطاعت کرو-" (النساء: ۵۹) کے تحت عوام کا ان کی پیروی کرنا واجب ہے-

۳۔ مشائخ روحانی امور میں اولوالامر کا درجہ رکھتے ہیں اور اولوالامر کی پیروی کرنے کا حکم واضح طور پر قرآن میں موجود ہے- **أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ** (النساء: ۵۹) اس شعر میں لفظ بندہ عابد کے معنی میں نہیں، مطیع و فرماں بردار کے معنی میں ہے-

۴۔ حدیث قرب نوافل جسے امام بخاری نے کتاب الرقاق میں نقل کیا ہے، کی روشنی میں اس مسئلے کو سمجھا جا سکتا ہے- شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ فنا و بقا کی توضیح میں لکھتے ہیں: "فنا اور بقا کے بارے میں مشائخ کرام کے مختلف اقوال ہیں- کچھ حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ خدا کی مخالفت کو فنا کیا جائے اور اس کی موافقت کو باقی رکھا جائے- یہی بات توبہ نصوح میں پائی جاتی ہے اور اس کی بھی یہی خصوصیت ہے- بعض حضرات نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ دنیا کی رغبت، حرص اور امید جاتی رہے- بعینہ یہی خصوصیت زہد میں بھی موجود ہے- بعض مشائخ کی رائے ہے کہ فنا اور بقا کا مطلب یہ ہے کہ برے اوصاف کو فنا کیا جائے اور اچھے اوصاف کو باقی رکھا جائے- اس کا دوسرا نام تزکیہ نفس ہے...... مگر در اصل فنائے مطلق وہ ہے جو خدا کے حکم

سے بندہ حق پر مسلط ہو جائے-یعنی خدا کا وجود بندے کے وجود پر غالب آ جائے-''
(عوارف المعارف، باب ۶۱ ص: ۵۲۰، مترجم)

طالب صادق کے لیے شیخ کی ضرورت کا بیان
اور اس کی بارگاہ کے آداب

۱ شیخ بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کا قول ہے: من لا شیخ لہ فشیخہ الشیطان جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کا مرشد شیطان ہوتا ہے-
(الرسالۃ القشیریہ، باب الوصیۃ للمریدین)

۲ حضرات موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعہ میں ان مدعیان علم و حکمت کے لیے عبرت ہے جن کو غرور علم نے تلاشِ مرشد کامل سے بے پروا کر دیا ہے- یہی بے پروائی جب انتہائی درجے پر پہنچتی ہے تو انسان یہ کہنے لگتا ہے کہ قرآن ہمارے لیے کافی ہے، سنت کی رہبری کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ دراصل جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا خاموش انکار ہے- پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اسی لیے فرمایا کہ میں تمہارے بیچ دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم اسے تھامے رہوگے تو کبھی گم راہ نہ ہوگے، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت- (مستدرک، کتاب العلم، حدیث: ۳۱۸، بیہقی، کتاب آداب القاضی، باب ما یقضی بہ قاضی و یفتی بہ، حدیث: ۲۰۸۳۴) ایک دوسری روایت میں سنت کی جگہ ''عترت'' کا لفظ آیا ہے (ترمذی، باب مناقب اہل النبی صلی اللہ علیہ وسلم/نسائی، کتاب المناقب، فضائل علی) جسے اگر توسع کے ساتھ لیں تو وہ تمام رجال حق عترتِ رسول ٹھہریں گے جو رسول گرامی ﷺ کے سچے متبع ہیں اور ان کے پیغام کو زبان و حال سے دوسروں تک پہنچانے والے ہیں-

۳ فقہا کا اصول ہے کہ اشیا میں اصل اباحت ہے- حرمت کے لیے دلیل چاہیے- اسی لیے اہل اسلام کو حسن ظن کا حکم دیا گیا ہے کہ جب تک کسی کے فسق و فجور اور شر و فساد پر

دلیل شرعی قائم نہ ہو، اصلاً اسے صالح ہی تصور کیا جائے گا- اسی طرح عصر حاضر کے مسلمانوں میں ایک برا تخیل یہ پیدا ہو گیا ہے کہ مسلمان میں ''سنیت'' کی تلاش کی جاتی ہے، جب کہ ہونا یہ چاہیے کہ جو شخص بھی اہل قبلہ ہو، اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو، جب تک اس میں گم رہی کی علامات نہ پائی جائیں اسے سنی مسلمان ہی سمجھا جائے، اس لیے کہ اصل سنیت ہے، اس لیے اس کے ثبوت کے لیے دلیل کی حاجت نہیں ہے، عدم سنیت خلاف اصل ہے جس کے لیے دلیل درکار ہے-

۴ اِجْتَنِبُوا كَثِيراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (الحجرات: ۱۲) زیادہ بدگمانی سے بچو کیوں کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہوا کرتی ہیں-

۵ اپنی رائے اور خیال کو وحیِ ربانی سمجھنا سخت گمراہی ہے- عصر حاضر میں اختلافی مسائل میں اصرار کا جو رویہ پیدا ہوا ہے وہ اسی وجہ سے کہ بعض افراد اپنی اجتہادی رائے کو حرفِ قطعی اور سب کے لیے واجب التسلیم گمان کر بیٹھے ہیں- یہ بہت بڑی نادانی، سخت گمرہی اور باعث افتراق امت ہے-

۶ تمام مشائخ کے ساتھ حسن ظن ضروری ہے- اگر یہ بات آج ہم میں پیدا ہو جائے تو ہمارے بیچ سے بہت سی مشربی بوالعجبیاں خود بخود ختم ہو سکتی ہیں-

۷ واقعہ موسیٰ و خضر علیہما السلام میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی میں سوراخ کر دیا جس پر سوار ہو کر دونوں نے دریا عبور کیا تھا، آگے چل کر ایک بچے کو قتل کر دیا، اس سے آگے بڑھے اور ایک بستی میں پہنچے، اہل بستی سے کھانا طلب کیا مگر انہوں نے انکار کر دیا، بستی میں ایک ٹیڑھی کمزور دیوار تھی جسے حضرت خضر علیہ السلام نے بغیر کسی اجرت کے درست کر دیا- ان تینوں واقعات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا جنہیں اعتراض نہ کرنے کی شرط کے ساتھ حضرت خضر نے اپنی صحبت میں رکھا تھا- تیسرے اعتراض کے بعد تینوں واقعات کی حکمتیں بتا کر حضرت خضر حسب شرائط حضرت موسیٰ سے علاحدہ ہو گئے- اس واقعہ سے تفسیر اشاری کے طور پر شیخ نے یہ معنٰی لیے ہیں کہ مرشد کا کام یہ ہے کہ وہ دل کی کشتی کو توڑے تا کہ شیطان اس پر قابض نہ

ہونے پائے ،نفس امارہ کو قتل کرے جو طفل شریر کی مانند ہے، جو انسان کی گم راہی اور تباہی کا سبب بنتا ہے اور دین کی گرتی دیوار کو بغیر کسی اجرت کے درست کرے، تبلیغ کے اجر کا امیدوار اللہ سے ہو، بندوں سے نہیں- ایسا جو کرتا ہے وہی مرشد کامل اور خضر وقت ہے اور اس کے بظاہر خلاف درست افعال و اشغال پر جو خاموش رہے وہی طالب صادق ہے- حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کا یہ پورا واقعہ سورۃ الکہف (۶۰-۸۲) میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے-

۸ محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی مشائخ کے بظاہر خلاف شریعت امور سے متعلق فرماتے ہیں: ''وہ حضرات جو افراط و تفریط سے الگ راہ اعتدال پر گام زن ہیں ان کا موقف یہ ہے کہ ایسے اقوال و افعال فی الواقع درست ہیں مگر شرعاً قبیح ہیں اور اس شرعی قباحت کی وجہ ضبط و اختیار کا فقدان اور غلبۂ حال ہے- اس کی مثال عالم ظاہر میں ایسے ہی ہے جیسے جب کسی ذی ہوش اور عقل مند آدمی کے اوپر فرحت و غضب کی حالت طاری ہوتی ہے تو اختیار کھو بیٹھتا ہے اور بے خودی میں عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگتا ہے- لہٰذا ایسے اقوال و افعال کو فقط تسلیم کیا جائے جیسا کہ کہا گیا ہے اسلم تسلم-'' (مرج البحرین، فارسی، ص:۳۳، ایجوکیشنل پریس، کراچی)

۹ حدیث پاک ہے: من صمت نجا ''جو خاموش رہا نجات پایا-'' (احمد ابن حنبل، عن عبد اللہ ابن عمرو، حدیث:۶۰۴۸۱/ ترمذی، صفۃ القیامۃ والرقاق والورع، باب:۵۰)

۱۰ ارشاد ربانی ہے: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر:۷) ''رسول جو دیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ'' علمائے ربانیین چوں کہ رسول کے بعد نائبین رسول ہیں، اس لیے اب امت کے عام افراد پر علمائے ربانیین اور اولیائے کاملین کا اتباع لازم ہے، اس لیے کہ یہی لوگ اولو الامر ہیں-

۱۱ موجودہ امت میں فقہی اختلافات سے جو مشربی اور گروہی جنگیں شروع ہیں ان کا حل اس شعر میں موجود ہے- ہر شخص مختلف فیہ مسائل میں اپنے شیخ، معتمد شریعت اور قبلۂ طریقت کا اتباع کرے اور دوسروں سے تعرض نہ کرے، ایسی صورت میں اختلاف

امت واقعی رحمت نظر آئے گا یا کم از کم زحمت نہیں بنے گا-

۱۲ شیخ نے اس شعر کے ذریعے شخصیت پرستی کی وہ جڑ کاٹ دی ہے جس نے موجودہ دور میں تحقیق و تفکیر کے آلے کو کند کر رکھا ہے، جس کے نتیجے میں ہر چہار جانب مشربی بوالعجبی اور گروہی عصبیت کا بازار گرم ہے- اب علم و تحقیق کے نام پر کنبہ پروری اور گروہ بندی کی قبیح روایت چل پڑی ہے- اے کاش! علمائے فحول اس گروہی عصبیت، مشربی بوالعجبی اور شخصیت پرستی کے تعفن زدہ ماحول سے خود کو باہر لانے کی کوشش کرتے- جس طرح ایک عامی اور متوسط پر اپنے بڑے کا اتباع لازم ہے اسی طرح علمائے فحول اور فقیہان وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ خامۂ تحقیق کو جیب سے باہر لائیں اور نئے دور میں نفاذ شریعت کے لیے قلم اٹھائیں نہ کہ کورانہ تقلیدی روایت کو آگے بڑھانے، ممدوحین وقت کو خوش کرنے اور نفع عاجل کو سمیٹنے کے لیے- شیخ نے جو بات کہی ہے یہی اہل حق کا علمی موقف ہے، معاصر علما اسی پر قائم ہیں لیکن کاش علما اس موقف کو بیان کرنے کی جرات کر سکتے!

۱۳ منکر و انکاری - یہاں لغوی معنی مراد ہے شرعی و اصطلاحی نہیں- یا یہاں صوفیہ کی اپنی اصطلاح میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے- یا یہ معنی ہیں کہ شیخ نائب رسول ہے، اس لیے متبعین اور بالخصوص غیر کاملین پر لازم ہے کہ وہ شیخ کا اتباع کریں- حکم شیخ سے روگردانی بالواسطہ طور پر اس شریعت مطہرہ سے روگردانی ہے جس کی دعوت و اشاعت میں شیخ نیابت رسول کا فریضہ انجام دے رہا ہے- یہ ایسے ہی ہے جیسے عمداً ترک نماز کو کفر کہا گیا ہے، کیوں کہ عمداً ترک نماز بالواسطہ طور پر شریعت محمدی کا خاموش انکار ہے یا بظاہر ایک کافرانہ عمل ہے-

۱۴ لوٹنے والا - وعدہ کر کے مکرنے والا - یہاں بھی لغوی معنی مراد ہے یا ارتداد طریقت مراد ہے جس کے بارے میں ایک مقام پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی لکھتے ہیں: ''پیر پر طعنہ و تشنیع ارتداد طریقت ہے- اس سے خلافت در کنار بیعت سے بھی خارج ہو جاتا ہے-'' (فتاویٰ رضویہ:۶/۵۵۱، پور بندر گجرات ۲۰۰۳ء)

۱۵ کیوں کہ بدگمانی ارادت کی ضد ہے۔

۱۶ قرب نوافل کی روایت میں یہ بات آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کا ہاتھ، پاؤں اور آنکھ بن جاتا ہے جو بندہ نوافل کے ذریعے حق کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔

۱۷ ایک عاشق صادق کا شعر ہے:

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ چشم بدخو نکند بکس نگاہے

۱۸ کاش یہ مزاج موجودہ تمام مشائخ اور ان کے تمام مریدوں میں پیدا ہو جائے! اگر ہر پیر کے تمام مرید اپنے شیخ کو اپنے لیے افضل و برتر مانتے ہوئے دیگر مشائخ کو بھی اپنا شیخ تصور کرنے لگیں تو اس کے جو خوش گوار نتائج سامنے آئیں گے اس کے تصور سے ہی روح جھوم اٹھتی ہے۔ آج حیرت ہوتی ہے کہ جو لوگ تصوف اور احسان کا نام لے رہے ہیں وہ عام محبت کی بجائے غیریت و تفریق اور تعصب و نفرت کا سبق پڑھ اور پڑھا رہے ہیں۔ کاش نفرت و غیریت کی ان دیواروں کو زمیں بوس کرنے کا ہم حوصلہ کر پاتے!

۱۹ علامہ سید شریف جرجانی لکھتے ہیں: ”حق الیقین بندے کا حق میں فنا ہو جانے اور علم و مشاہدہ اور حال کے رو سے حق کے ساتھ باقی رہنے کا نام ہے۔ موت کے بارے میں ایک عاقل کو جو علم ہوتا ہے وہ علم الیقین ہے اور جب وہ موت کے فرشتوں کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کا وہ علم عین الیقین بن جاتا ہے اور پھر جب وہ موت کا مزہ چکھ لیتا ہے تو وہ علم حق الیقین میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ علم الیقین ظاہر شریعت ہے، عین الیقین اخلاص فی الشریعہ اور حق الیقین مشاہدہ فی الشریعہ ہے۔“ (التعریفات)

سالکین راہِ طریقت کے مابین اختلاف کا بیان

۱ اس ذیل میں کہے گئے اشعار ارباب تصوف کے بیچ پیدا اختلافات کے حل اور بدگمانیوں کے ازالے کے لیے نسخۂ کیمیا کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ اس لائق ہیں کہ آب زر سے لکھ کر موجودہ تمام خانقاہوں میں آویزاں کر دیے جائیں۔

سماع و وجد کا بیان

۱ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی اپنا ایک فتویٰ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں:

”مزامیر یعنی آلات لہو و لعب بر وجہ لہو و لعب بلاشبہ حرام ہیں۔“

(فتاویٰ رضویہ: ۲۴/ ۷۸، پور بندر)

شیخ اس عبارت کی یہ کہتے ہوئے پوری توثیق کرتے ہیں کہ بغرض لہو و لعب مزامیر کو میں بھی حرام سمجھتا ہوں۔ ہاں مزامیر کو میں مطلقاً آلۂ لہو و لعب نہیں مانتا، ان آلات کا استعمال چوں کہ بالعموم لہو و لعب کے لیے ہوتا ہے، اس لیے انہیں تغلیباً آلات لہو کہہ دیا جاتا ہے۔ وہ بالذات آلات لہو نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی (۱۲۵۲ء) جیسے فقہا ان آلات کو بالذات حرام نہیں جانتے، بلکہ ان کی حرمت کو مقصد لہو کے ساتھ مشروط سمجھتے ہیں۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: **ان آلات اللهو ليست محرمة لعينها بل لقصد اللهو منها اما من سامعها او من المشتغل بها و به تشعر الاضافة، الا ترىٰ ان ضرب تلك الآلة بعينها حل تارة و حرم اخرىٰ باختلاف النية بسماعها والامور بمقاصدها، و فيه دليل لساداتنا الصوفية الذين يقصدون اموراً هم اعلم بها فلا يبادر المعترض با لانكار كي لا يحرم بركتهم فانهم السادة الاخيار، امدنا الله تعالىٰ بامداداتهم واعاد علينا من صالح دعواتهم و بركاتهم**۔ (ردالمحتار علیٰ درالمختار: ۵/ ۲۷۵، دیوبند)

”آلات لہو و لعب حرام لذاتہ نہیں، بلکہ ارادۂ لہو کی وجہ سے حرام ہیں، ارادۂ لہو و تفریح خواہ سننے والے کی طرف سے ہو یا بجانے والے کی طرف سے، آلات لہو میں جو اضافت ہے اس سے بھی اسی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ایک ہی آلے کو بجانا کبھی جائز ہوتا ہے اور کبھی ناجائز، ان کے سننے کی نیت کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے۔ کیوں کہ احکام کا دار و مدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ **الامور بمقاصدها**۔ اور اس

میں ہمارے مشائخ تصوف کے لیے دلیل ہے، جن کا مقصود ان آلات سے ایسے امور ہوتے ہیں جن کو صحیح طور پر وہی جانتے ہیں- اس لیے معترضین کو انکار میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے کہ اس میں ان کی برکات سے محروم ہونے کا اندیشہ ہے، کیوں کہ وہ ہمارے مشائخ اخیار ہیں- اللہ ان کی عنایتوں سے ہمیں شاد کام فرمائے اور ان کی نیک دعاؤں اور برکتوں سے حصہ عطا فرمائے-''

٢ مزامیر کے تعلق سے مختلف روایات ملتی ہیں، کہیں ان کا ثبوت ملتا ہے تو کہیں انکار- شیخ کی تحقیق کے مطابق انکار وحرمت کی علت ''لہو'' ہے- اگر غنا یا مزامیر بغرض لہو ہو تو حرام ہے، جیسا کہ اس کا اشارہ علامہ شامی اور فاضل بریلوی کے مذکورہ فتوؤں سے بھی ملتا ہے اور اگر بغرض لہو نہ ہو تو کم از کم مباح ہوگا- پھر مقصد جس قدر اعلیٰ ہوتا جائے گا اس کے جواز میں اسی قدر حسن پیدا ہوتا جائے گا-

٣ اس لیے آلات مزمار کو اصالۃً ناجائز وحرام سمجھنا درست نہیں ہے، خصوصاً اس صورت میں جب کہ بعض روایات سے ان کا ثبوت بھی ملتا ہے-

٤ ڈھول- نقارہ ٥ ایک قسم کا ستار- تنبورہ ٦ بانسری- باجا- نے ٧ ایک قسم کی سارنگی

شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت

١ شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی شیخ نے بہت ہی مختصر اور واضح تشریح فرمائی ہے- امام احمد رضا فاضل بریلوی نے فتاویٰ رضویہ میں اسی سے ملتی جلتی تشریح فرمائی ہے، لکھتے ہیں: ''شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت میں باہم اصلاً کوئی تخالف نہیں، اس کا مدعی اگر بے سمجھے کہے تو نرا جاہل اور سمجھ کر کہے تو گمراہ، بددین- شریعت حضور اقدس ﷺ کے اقوال ہیں اور طریقت حضور کے افعال اور حقیقت حضور کے احوال اور معرفت حضور کے علوم بے مثال-''

(فتاویٰ رضویہ: ٢١/٤٦٠)

٢ ارشاد خداوندی ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات: ٥٦)

''میں نے جناتوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا-'' حافظ ابن کثیر اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: یعنی میں نے انہیں اس لیے پیدا کیا تا کہ میں انہیں اپنی عبادت کا حکم دوں، نہ اس لیے کہ ان کی مجھے ضرورت ہے- اور علی ابن ابی طلحہ نے إِلَّا لِيَعْبُدُونِ کے تعلق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے: ''تا کہ اس لیے کہ وہ بخوشی یا بالاکراہ میری عبادت کا اقرار کریں- یہ ابن جریر کا مختار ہے جب کہ ابن جریج نے اس کے معنی الا لیعرفون (تا کہ وہ میری معرفت حاصل کریں) بتائے ہیں- (ابن کثیر: ٤/٢١٧، بیروت)

تصوف کی فضیلت

١ حدیث جبریل میں الاحسان کے بارے میں ہے: **ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک** (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب: بیان الایمان والاسلام والاحسان) ''احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمھیں دیکھ رہا ہے-''

٢ یہ بطور ترہیب وتشدید ہے، جیسے اس حدیث میں کہا گیا: **بین العبدو بین الکفر ترک الصلوٰۃ** ''بندہ کو کفر سے جوڑنے والی چیز ترک نماز ہے-'' (ترمذی، الایمان، ترک الصلوٰۃ، حدیث: ٢٦٢٠) یا لغوی اطلاق ہے، یعنی یہاں کافر منکر کے معنی میں ہے- اگر کوئی شخص اپنے مولیٰ سے غافل ہے تو اس کا حال مولیٰ کا انکار ہے- یا بطور تشبیہ ہے کہ جس طرح کافر زندگی بھر اپنے رب سے غافل ہوتا ہے اسی طرح یہ لمحہ بھر کے لیے ہی سہی کافر کی طرح اپنے رب سے غافل تو ہوا-

فقیہانِ خشک اور صوفیانِ جاہل ومکّار کا بیان

١ حضرت امام مالک کا قول ہے: **من تفقہ و لم یتصوف فقد تفسق و من تصوف و لم یتفقہ فقد تزندق و من جمع بینھما فقد تحقق** علم فقہ حاصل کرنے کے

بعد جس نے تصوف اختیار نہیں کیا وہ فسق وفجور میں مبتلا ہو گیا اور جس نے صوفیت اختیار کی اور علم شریعت سے دور رہا وہ بے دین وزندیق ہو گیا اور جس نے ایک ساتھ دونوں حاصل کر لیے اس نے حقیقت مراد پا لی۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ۲/۱۹۰، کتاب العلم، الفصل الثالث)

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں:

فقیهاً و صوفیاً فکن لیس واحداً　　فانی و حق اللّٰہ ایاک انصح

فذاک قاس و لم یذق قلبه تقی　　و هذا جهول کیف ذو الجهل یصلح

(اللہ کے لیے میں تجھے نصیحت کر رہا ہوں کہ فقیہ اور صوفی بنو، کوئی ایک ہی نہ رہ جاؤ، کیوں کہ فقیہ محض، سخت دل ہوتا ہے، اس کا قلب خوف خدا کی لذت سے آشنا نہیں ہوتا، جب کہ صوفی محض، جاہل ہوتا ہے اور جاہل بھلا اصلاح کیوں کر قبول کر سکتا ہے۔)

علماے سوء کا بیان

۱ علماے سوء سے مراد لوگ بالعموم بدعقیدہ علما سمجھتے ہیں۔ شیخ نے یہاں واضح کیا ہے کہ عقاید کے اعتبار سے ہی نہیں جو عملی اعتبار سے بھی پیچھے ہیں اور اپنے مولیٰ کی یاد سے غافل ہیں، جن کی تحریر وتقریر اور گفتار وکردار کا محور دنیاوی مفادات ہیں، وہ سب کے سب علماے سوء ہیں۔ اس کی تائید امام غزالی کی اس بات سے بھی ہوتی ہے: ”علماے دنیا سے ہماری مراد علماے سوء ہیں علم سے جن کا مقصود دنیاوی آسائش کا حصول اور دنیاداروں کے جاہ ومنصب تک پہنچنے کی کوشش ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے سخت عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو اللہ نے اس کے علم سے کوئی نفع نہیں دیا۔“ نیز آپ ﷺ نے فرمایا ”آدمی اس وقت تک عالم نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے علم پر عامل نہ ہو۔“

(احیاء علوم الدین: ۱/۶۴، ابنا مولوی غلام رسول، ممبئی)

شانِ علماے برحق

۱ **خیارکم الذین اذا راؤا ذکر اللّٰہ** ”تم میں اچھے وہ ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آئے۔“

(شعب الایمان ۷/۴۹۴، حدیث: ۱۱۰۰۸)

۲ اس لیے جو نقش کف پاے رسول کے اتباع سے دور ہو وہ عالم برحق نہیں ہو سکتا، جبہ و دستار کا اوڑھنا اور علماے اہل سنت میں شمار ہونا عالم برحق ہونے کے لیے کافی نہیں۔

۳ عارف رومی فرماتے ہیں:

مولوی ہستی و آگاہ نیستی

از کجا و تا کجا و کیستی

(تم مولوی ہو اور تمھیں معلوم نہیں کہ تم کون ہو؟ اور تمھارا آغاز وانجام کیا ہے؟)

۴ حدیث قرب نوافل کی طرف اشارہ ہے۔

۵ پوری آیت یوں ہے: **وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ** (الانفال: ۱۷) ”اے نبی! وہ خاک آپ نے نہیں پھینکی جب آپ نے پھینکی، بلکہ اللہ نے پھینکی۔“ علماے برحق چوں کہ نبی کے نائبین ہیں، اس لیے نبی کی طرح ان میں اس تاثیر کا ایک حصہ ضرور پایا جاتا ہے۔

شرائطِ شیخی ودرویشی

۱ شیخ الاسلام حضرت فریدالدین گنج شکر علیہ الرحمہ نے شیخ کامل کی شرائط میں علم کامل، عقل کامل اور عشق کامل کو لازمی قرار دیا ہے۔ شیخ، عصر حاضر کے احوال کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میں ”مال کامل“ کی شرط کا اضافہ کرتے ہیں، تاکہ شیخ کو ہمہ دم اپنے مریدوں کی جیب پر نظر نہ کرنی پڑے۔

۲ بقول مولانا روم:

علم را بر تن زنی مارے بود　　علم را بر دل زنی یارے بود

٣۔ تقلید ائمہ اربعہ پر ان ائمہ کے زمانے کے بعد امت کا اتفاق ہو گیا- تمام بڑے بڑے محدث، فقیہ، مفسر سب کے سب گزشتہ ہزار سالوں سے مقلد رہے ہیں اور تمام علما نے چار اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کے واجب ہونے پر اتفاق کیا ہے- اس لیے بطریق اجماع امت تقلید واجب شرعی ہے- اگر شیخ اس سے منحرف ہو تو وہ اہل سنت و جماعت سے نہیں ٹھہرے گا- کیوں کہ اصول شریعت میں شیخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ جمہور علمائے اہل سنت کے مسلک و موقف پر ہو- اصول میں تفرد گمراہی ہے- ہاں بعض فروعی مسائل میں اگر شیخ صاحب رائے ہے تو حرج نہیں، کیوں کہ فروعیات میں تحقیق کبھی بھی شجر ممنوع نہیں رہی ہے، ہر ذی علم صاحب نظر کو اس کا حق ہے-

٤۔ تقلید سلف صرف فقہیات فروعیات میں واجب ہے- ایمانیات میں ضروری ہے کہ خود کو صحیح عقائد کا یقین حاصل ہو- یقین کے تحقق کے بغیر کوئی اسلاف کا اصول میں مقلد نہیں کہلائے گا بلکہ یقین کے فقدان کے سبب وہ گمراہ و بددین ہو جائے گا- ایمان کے اندر ایقان ضروری ہے، محض تقلید نہیں- البتہ یہ ایقان انہیں اصول کی روشنی میں ہو جن پر علمائے سلف قائم رہے ہیں- اصول میں تفرد گمراہی ہے-

۵۔ ''اچھی بات لے لو اور غیر مناسب کو چھوڑ دو'' شیخ اپنی مجلس میں ذی علم و ذی شعور مریدوں کے سامنے بھی اس کا اعادہ کرتے رہتے ہیں- یہ کمال احتیاط و کمال تواضع، نیز شخصیت پرستی کے خلاف شعوری تحریک ہے-

استقامت

١۔ شیخ ابن عربی کا قول ہے: **الکشف حیض الرجال والکرامة نفاس الرجال**
شیخ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں: **والاستقامة کمال الرجال**

طالبانِ حق کے لیے پند و نصائح

١۔ ایک حدیث ہے: **اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرة**

المساکین ''اے اللہ مجھے حالت مسکینی میں زندہ رکھ، حالت مسکینی میں موت دے اور مسکینوں کی جماعت میں ہی میرا حشر فرما'' (ابن ماجہ: ۴۱۲/۲) لیکن یہ اس صورت میں ہے جب بالاختیار و بالرضا ہو، اگر فقر بالاختیار نہ ہو یا اس پر اطمینان قلب حاصل نہ ہو تو ایسا فقر کفر کی طرف لے جانے والا ہوگا- اسی تناظر میں حضرت انس سے مروی یہ حدیث ہے: **کاد الفقر ان یکون کفرا** (حلیۃ الاولیاء میں یزید بن ابان الرقاشی اور دیگر ابواب میں مذکور ہے-) ''قریب ہے کہ فقر باعث کفر بن جائے-'' ایک روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی: **اللھم اکثر مالہ و ولدہ و بارک لہ فیما اعطیتہ**- (بخاری: ۶۳۳۴، ترمذی: ۳۸۲۸) ''اے اللہ! اسے خوب مال و اولاد عطا فرما اور اپنی عطا میں برکتیں نازل فرما-'' اس لیے اس باب میں منصفانہ بات یہ ہے کہ ہر انسان اپنے لیے فقر اختیار کرے اور دوسروں کے لیے غنا پسند کرے، جب کہ آج لوگوں کا رویہ اس کے برعکس ہے، اس لیے نتائج بھی ہمارے سامنے ہیں-

فقر کا لفظ جب صوفیہ بولتے ہیں تو وہ زیادہ تر اس سے وہ فقر مراد لیتے ہیں جو رضا کے مترادف ہے، جو بندے میں ماسوی اللہ سے بے نیازی پیدا کرتا ہے اور توکل علی اللہ کا پابند بناتا ہے، جو مال و زر کے ساتھ رہنے کو منع نہیں کرتا، مال و زر سے دل لگانے کو منع کرتا ہے- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث **الفقر فخری** (فقر میرا سرمایۂ افتخار ہے-) اسی مفہوم میں منقول ہے- محدثین نے اسے سنداً ضعیف قرار دیا ہے لیکن فقر کے مذکورہ معنی کے پیش نظر متن بالکل درست ہے اور اس کی توثیق اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے: وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ (محمد: ۳۸) 'اللہ بے نیاز ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو' ظاہر ہے اس وصف - احتیاج الی اللہ - میں بھی سید الاولین والآخرین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آگے، سب پر فائق اور سب سے ممتاز ہوں گے اور اس طور پر یہ وصف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سرمایۂ افتخار ٹھہرے گا- اور کبھی فقر سے وہ فقر بھی مراد ہوتا ہے جو مال داری کے بالمقابل ہے- یہ

دونوں محمود ہیں، لیکن فقر کی اصل دولت پہلا فقر ہے جس میں بندہ باہمہ و بے ہمہ رہتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مال وزر کوئی بالذات بری چیز نہیں، اس کا غلط استعمال اور دل میں اس کے لیے جگہ کا پیدا ہو جانا یہ برا ہے- اگر مال وزر کے ساتھ فقر و بے نیازی کی دولت حاصل ہو جائے تو یہ سونے پر سہاگہ ہوگا-

۲ دنیا کو پیرزن کہا گیا ہے- اس حوالے سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا یہ مشہور شعر ہے:

شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کش
اس مردار پہ کیا للچانا دنیا دیکھی بھالی ہے

۳ قرآن کا فرمان ہے: وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (الانفال:۲۸)
''جان لو کہ تمھاری دولت اور تمھاری اولاد یقیناً فتنہ ہیں-''

۴ یعنی دنیا میں رہو، دنیا تم میں نہ رہے- دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے جدا رہو- دنیا مٹھی میں رہے، دل میں داخل نہ ہونے پائے-

۵ ایک روایت ہے: موتوا قبل ان تموتوا ''مرنے سے پہلے مرجاؤ'' امام ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور ملا علی قاری نے کہا ہے کہ یہ صوفیہ کا قول ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ خواہشات نفس کو ترک کر کے بالرضا مرجاؤ قبل اس کے کہ حقیقی موت سے بالاضطرار مرو- (کشف الخفاء:۲/۲۹۲، حدیث:۲۶۶۹)

۶ **لیس للانسان الا ما سعیٰ** (النجم:۳۹) ''انسان کے لیے سوائے اس کی کوشش کے کچھ بھی نہیں ہے-'' اس آیت کی شیخ نے ایک نئی اور اچھوتی تفسیر کی ہے جہاں عام آدمی کی نظر نہیں پہنچتی- شیخ کے مطابق اس کے یہ معنی ہیں کہ انسان اس معاملے پر یقین رکھے جو اس کے اور اس کے مولیٰ کے بیچ ہے- ماسوی اللہ سے امید وفا نہ رکھے- کیوں کہ ان سے سوائے محرومی کے کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا- اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ انسان توکل علی اللہ کی گراں مایہ دولت سے دست بردار ہو جائے، جیسا کہ **لیس للانسان الا ما سعیٰ** سے بعض حضرات کو غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے-

اذکار واشغال کا بیان

۱ ذکر، یعنی خدا کی یاد، صوفیہ کے یہاں یہ لسانی ورد و وظیفہ تک محدود نہیں، بلکہ اکثر صوفیہ کی عبارتوں سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یاد الٰہی میں محویت اصل ذکر ہے- غفلت قلب کے ساتھ لسانی اوراد در اصل ذکر ہیں ہی نہیں- ذکر باللسان ذکر کا آغاز ہے اور اس کی انتہا خدا کے ماسوا کو فراموش کر جانا ہے-

۲ شغل نفی: مراقبۂ نفی وجود

۳ ہر سانس ہر لمحہ یاد الٰہی، اس طرح ہر لمحہ محفوظ ہو جاتا ہے، ایک پل بھی ضائع نہیں ہوتا- پاس انفاس صوفیہ کا محبوب عمل ہے جس میں جو سانس اندر جائے اللہ کا ذکر ہو اور جو باہر آئے اس میں بھی اللہ کا ذکر ہو-

۴ اہل اللہ

۵ شغل محمودہ وہ شغل ہے جس میں عجائب و غرائب اور اسرار کا مشاہدہ ہوتا ہے- اس کا طریقہ یہ ہے کہ نظر کو دونوں ابرو کے درمیان جمایا جاتا ہے-

۶ طاؤس الفقراء شیخ ابونصر سراج علیہ الرحمۃ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ چاہیں تو فرشتوں کے جامہ میں نبی بن کر آئیں یا عبد کے جامہ میں نبی بن کے آئیں- حضرت جبریل نے عاجزی اختیار کرنے کا مشورہ دیا اور آپ نے جامۂ عبدیت اختیار فرما لیا- اس کے بعد حضرت ابونصر سراج فرماتے ہیں: ''اگر خلق اور حق تعالیٰ کے درمیان عبودیت کے درجہ سے بلند تر کوئی درجہ ہوتا تو رسول اکرم ﷺ ضرور اس پر فائز ہوتے-'' (کتاب اللمع، ص:۶۹۴، حریت و عبوبیت)

عبدیت کا مقام سلوک کا سب سے اونچا مقام ہے- یہ وہی مقام ہے جس کے بارے میں اقبال کہتے ہیں:

عبد دیگر عبدہ چیزے دیگر
آں سراپا منتظر ایں منتظر

مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات

۱ سلسلہ صفویہ کے ممتاز شاعر و عالم حضرت منشی عزیز اللہ صفی پوری (م ۱۹۲۸ء) اپنی کتاب عقائد العزیز میں چار پیر چودہ خانوادوں کے بارے میں لکھتے ہیں: ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پانچ آدمیوں کو خلیفہ کیا ہے، حضرات حسنین کو اور حضرت حسن بصری اور حضرت خواجہ کمیل بن زیاد کو اور حضرت قاضی شریح کو اور بعضے خواجہ کمیل بن زیاد کو چار پیر میں داخل کرتے ہیں اور بعضے قاضی شریح کو۔ اور حضرت حسن بصری نے دو آدمیوں کو خلیفہ کیا ہے، حضرت حبیب عجمی کو اور حضرت عبدالواحد بن زید کو۔ حضرت حبیب عجمی سے نو سلسلے جاری ہوئے ، حبیبیہ، طیفوریہ، کرخیہ، سقطیہ، گازرونیہ، سہروردیہ، طوسیہ، فردوسیہ، جنیدیہ اور حضرت عبدالواحد بن زید سے پانچ سلسلے جاری ہوئے ، زیدیہ، عیاضیہ، ہبیریہ، ادہمیہ، چشتیہ۔ یہ سب چودہ خانوادے کر کے مشہور ہیں۔ (عقائد العزیز، ص: ۱۳۳، مطبع راجا رام کمار لکھنؤ، بار ثالث، ۱۹۵۲ء)

۲ حضرت عبداللہ شطار الخراسانی (م ۸۳۲ھ)، سلسلہ شطاریہ انہی کی طرف منسوب ہے۔

۳ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَاباً طَهُوراً (الدھر: ۲۱) ''ان کے رب نے انہیں پاکیزہ شراب پلائی۔''

خاتمہ

۱ شیخ نے نجی مجالس میں کئی بار یہ ذکر کیا کہ انہوں نے یہ مثنوی باضابطہ پلاننگ سے نہیں لکھی، بلکہ بارہا سیل رواں کی طرح مضامین کی آمد ہوتی اور آپ اسے نوٹ فرمالیتے یا کرادیتے۔

۲ ہر فن کی طرح تصوف کی بھی اپنی مخصوص اصطلاحات ہیں، جو لوگ بیان تصوف میں آنے والے الفاظ کو عام لغت سے یا دوسرے فنون کی اصطلاحات سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ سخت غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسائل

تصوف کو اس کی مخصوص اصطلاح میں سمجھا جائے۔ اسی طرح سے جس طرح ہر شاعر کی اپنی لفظیات اور اصطلاحات ہوتی ہیں اس مثنوی کے اندر شیخ کی بھی اپنی لفظیات اور اصطلاحات ہیں۔ بعض اشعار دوسرے اشعار کی تشریح و توضیح کرتے ہیں۔ اس لیے قاری و ناقد کو چاہیے کہ تمام اشعار کو پیش نظر رکھتے ہوئے، شیخ کی صحیح مراد تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ خود ساختہ مفہوم متعین نہ کرے۔

۳ حدیث پاک ہے: **واضع العلم عند غير اهله كمقلد الخنازير الجوهر و اللؤلؤ و الذهب** ''نااہل کو علم سکھانے والا ایسے ہی ہے جیسے خنزیر کے گلے میں ہیرے، موتی اور سونے کا ہار پہنانے والا۔'' (سنن ابن ماجہ، کتاب الایمان وفضائل الصحابہ والعلم، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ۱/۸۱، دار الفکر، بیروت)

☆☆☆☆

تصوف وسلوک پر شاہ صفی اکیڈمی
کی ایک نادر اور دستاویزی پیش کش

نویں صدی ہجری کی جامع شریعت وطریقت شخصیت
حضرت **مخدوم شیخ سعد خیرآبادی** قدس سرہ (م ۹۲۲)
کے قلم سے ساتویں صدی ہجری کی مشہور متن تصوف

الرسالة المكية

کی عالمانہ وعارفانہ شرح

مجمع السلوک

جو شریعت وطریقت کا انسائیکلوپیڈیا اور سالکین وطالبین کے لیے دستور العمل ہے۔
مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی کے قلم سے ترجمہ، تحقیق اور تخریج کا کام تیزی کے ساتھ جاری ہے۔
بہت جلد منظر عام پر آ رہی ہے۔

شاہ صفی اکیڈمی
خانقاہ عالیہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد، یو پی